



شيخ الاسلام العلامة شفيق احمد عثمانى

إدارة إلامیات • لاہو

عقل اور مذہب کے درمیان باہمی تعلق کے بزرگ مسئلہ پر سیر حاصل بحث

لعقل و لنقل

عقل سلیم، اور نقل صحیح میں اختلاف ممکن نہیں ! اور
بہس عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت میں قصور ہونے کی
وجہ سے اختلاف نظر آئے تو فیصلہ کا صحیح طریقہ

۱۲

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

== ناشر ==

ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی - لاہور

قیمت

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى۔ مذہب اسلام اور فلسفہ یونان میں جب جنگ ہوئی تو مسلمانوں نے علم کلام کے ذریعہ مستحقہاؤں سے اس کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسلام کو ایسے مضبوط قضیوں اور ردیوں سے محفوظ کیا جس کے مقابلہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ فلاح شکن توہین بھی اپنا کوئی اثر نہ دکھلا سکیں۔

یہ کہنا بالکل مبالغ سے خالی ہے کہ مشکلبین نے مذہب کی سطح پر قائم رہ کر محبت و استدلال کے متانتی جو کچھ اصولی اور قواعد وضع کئے ان سے تمام باطل توہمات کی قلعی کھل گئی۔

فلسفہ یونان کی طبع سازوں کا قسم ٹوٹا معترفین کی ابلہ فریبوں کا پردہ فاش ہوا اور قیامت تک کے لئے مخالفین کی نگاہ چنبیوں کا سد باب کر دیا گیا۔ لیکن انفس کو چارے زمانہ کے بدش کو مد فظروں کی تسلی میں پر بھی نہ ہوئی اور وہ علم کلام کو آج کل کی ضروریات کے حق میں ناکافی بنا گئے رہے۔

ابھی کچھ عرصہ ہوا یورپ سے یہ صدا اٹھی کہ علوم جدید نے تمام مذاہب کی بنیادوں میں تزلزل پیدا کر دیا ہے اور مختلف ادیان عالم میں سے ایک مذہب بھی اس کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکا۔

فہرست مضامین

اصل کتاب میں اگرچہ صفحہ ۵۵ سے موجود نہیں ہیں، لیکن تاہم کے ہوتے کے لئے کتابچے میں مزید مضامین کے فہرستہ ذیل میں بھی جا رہے ہیں۔

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۴۴	سچا مذہب اور عقل	۳	دیباچہ
۴۷	عقل اور نقل ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔	۱۲	عقل اور نقل کا اختلاف
۵۳	عقل سلیم اور عقل سقیم	۱۳	اہل عقل اور اہل نقل
۵۸	مولانا قاسم نانوتوی	۱۴	امثال سلیمان کی ایک عبارت
۶۳	عقل اور ایک بد کی پہچان	۱۵	پادری رسول کا خط
۶۵	افواج کی صفات	۱۶	امام خراسانی اور مسئلہ عقل
۶۸	انبیاء پر فیض خداوندی	۲۰	یوحنا سینا اور عقل
۶۹	ثبوت کا عقلی ثبوت	۲۲	عقل طوس کا مذہب
۷۵	سر سید کا ایک اعتراض	۲۳	اپن رٹھ اندس کی کا مذہب
۷۷	سر سید سے ایک سوال	۲۵	اپن تھیو اور فلسفہ
۸۰	طیب و دھانی پر اعتقاد	۲۷	ابن العربی کا خط امام رازی کے نام
۸۳	طیب و دھانی کی پہچان	۲۸	حضرت مجدد ملت ثانی کا مسلک
۸۴	رسول اگر تم کی بشت کے اثرات	۲۹	ابن خلدون اور عقلیات
۸۷	عقل کو چھوڑ کر عقل کی تلاش	۳۱	علوم تفسیری اور ابن خلدون
۸۸	عقل کی قطعیت	۳۲	شیخ شہاب الدین سہروردی
۸۹	عقل کی بے بسی	۳۳	علاء الدین طوسی کا مذہب
۹۳	عقل میں تفاوت	۳۴	عقل کے نقصان کا ثبوت
۹۴	کیا فکر و عقل معنوی ہیں؟	۳۵	شیخ علی نقیہ اور عقلیات
		۳۷	کئی نبیوں کا اثر عقل پر

جن لوگوں کو ہر بات کی تصدیق کے لئے یورپ کی وحی کا انتظار رہتا ہے۔ جسے چون و چرا اس پر ایمان لے آئے اور ملک میں اس خیال کو اس قدر شہرت دی کہ اس سلسلے سے اس سلسلے تک جا بجا یہی چرچا ہو گیا۔ علمائے یہ دیکھ کر کہ عام لوگ مذہب سے بدلی ہوئے جاتے ہیں اس کی تحقیق کی طرف توجہ کی مرکز تفتیش کے بعد ثابت ہوا کہ اس دعویٰ میں واقعیت کا بہت ہی کم حصہ شامل ہے۔

○ اس میں شک نہیں کہ علمائے سائنس نے مادیات اور طبیعیات کے متعلق بہت سی جدید باتیں دریافت کیں۔ علم ہیئت (علم الفلک) میں مفید بیانات کا اضافہ کیا۔ صنعت و دستکاری کے عجیب غریب کرشمے دکھائے۔ روشنی اور بجلی وغیرہ کے متعلق جدید تحقیقات سے عالم کو سنو کر دیا لیکن انہوں نے یہ نہیں بتلایا کہ ان میں سے کون سی بات اسلام کے مخالف ہے یا کس چیز کے ثابت ہونے سے کسی اسلامی مسئلہ پر نقص وارد کیا جاسکتا ہے۔

قرض کر لو کہ عناصر کی تعداد (۷۷) سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ یہ بھی تسلیم کر لو کہ زمین ساکن نہیں متحرک ہے یہ بھی مان لو کہ کوکب سیارہ سات میں منحصر نہیں۔ مگر کیا اس سے توحید کے ثبوت میں کچھ نفع آیا۔ یا نبوت کا دعویٰ باطل ہو گیا کسی آیت قرآنی کی مخالفت ہوئی یا حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کیا گیا۔ جب ان میں سے کچھ بھی نہیں تو اب یہ دیکھو کہ علوم جدیدہ نے اسلامی مسائل کے متعلق ردایا قبول کیا کس چیز کی زیادتی کی۔

اس کے جواب میں ان چند سویدہ اور پامالی اعتراضات کے سوا کچھ نہیں کہا جاتا جو حدیث مادیہ معجزات اور شرو و نشر وغیرہ کے متعلق عام طور پر زبان زد ہیں اور جن کو ہمارے زلزلے کے بعض آزاد خیال مولفین نے اردو زبان میں فزاسلحا کر تحریر کر دیا ہے لیکن جن لوگوں نے علم کلام کی تکمیل کو صرف شرح عقائد ثنالی کے دائرہ میں محدود نہیں سمجھ رکھا وہ خوب جانتے ہیں کہ علم اسلام نے کہاں تک ان تمام شبہات کا ریکس اور حیلان ہو سکتا ہے کیا ہے۔ اور کس خوبی اور بسط کے ساتھ ان اعتراضات کا رد کیا ہے کس میری اس تحریر کے پڑھنے والے ابن حزم بنی ہری کی مثل و مثل علامہ ملا والدین علی طوئٹی کی کتاب الذخیرہ فاضل نقضاً زانی بھی شرح مقاصد امام غزالی کی تہافت الفلاسفہ اور متفقین فن کی نادر تصنیفات کا مطالعہ کریں۔ جس سے ان کے رد پر میرے اس بیان کی صداقت ظاہر ہو۔

اس بات کا کہہ دینا اس کے ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہے کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں تمام علوم قدیم ماند پڑ گئے اس کے مقابلہ میں متکلمین کی تحقیقات بالکل بیکار ثابت ہو گئیں اور اس کے دنیا میں آنے سے مذہب کو موت کا سامنا کرنا پڑا۔

کیا یہ دعویٰ کرنے والے ہم کو خام ان مضامین کی ایک فہرست دے کر ممتون بنا سکتے ہیں جن کو اسلام اور متکلمین اسلام کے دلائل کے محدث بنانے میں کسی قسم کا دخل ہو اور جن کی سند و مقم پر قدیم علم کلام نے بہت کافی طور پر بحث نہ کی ہو۔

ہماری ایسے لوگوں سے جو حلال کے علماء کو بدیدہ ملکوں کی مداخلت سے عاجز بناتے ہیں یہ التباہ ہے کہ وہ حضور ہم کو ایسے مسائل کی مع ان کے لاکھ کے ایک فرو تیار کر کے عنایت فرمائیں جن کا مقابلہ ہمارے بڑے اسلام نہ ہو سکا۔ اور آخر کار ہمارے سنی۔ بس۔ آئی بہادر کو اس کے ضعف اور پیرائے سالی پر دھم کیا کہ اس میں بہت کچھ اصلاح کرنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ یہ ترمیم شدہ اسلام نوجوان یورپ کی نظروں میں واقع اور با عظمت بن سکے بہر حال۔

اپنی جہالت کی وجہ سے جن کا جو جی چاہے کہے مگر انصاف یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے متعلق متکلمین نے جس درجہ موٹگانی۔ باریک بینی۔ اور فلسفیانہ نگاہ سے کام لیا ہے اس نے ہمیشہ کے لئے ہم کو اندرونی اور بیرونی منافین اسلام کے پیچھے اعتراضات کے حل کرنے سے سیکڑوں کر کے ان کا ممنون احسان بنادیا اور میں جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اب بھی دنیا میں امام ابو الحسن اشعری اور ابو المنصور ماتریدی کے ایسے وکیل موجود ہیں جو اسلامی معتقدات کے متعلق ان تمام شبہات کا استیصال کرتے ہوئے جو کسی شے سے نئے پیرائے میں ظاہر کئے جائیں۔ قدیم علم کلام کے کمال و مکمل ہونے کا ثبوت دے سکیں۔

○ ہم نے اپنے ان دوستوں کو جو قدیم علم کلام کو اکثر ناقص بتلایا کرتے ہیں بارہا یہ بھی کہنے سنا ہے کہ قدیم علم کلام میں صرف عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے میں منافین نے اسلام پر جو اعتراض کئے

تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تلامذہ کی اخلاقی تمدنی ہر حیثیت سے مذہب کو مانچا جاتا ہے یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہیں ہیں جتنے اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں، ان کے نزدیک تندہ نکاح۔ طلاق۔ غلامی۔ جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس بنا پر علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنا ضروری ہے اور یہ حصہ بالکل قدیم علم کلام میں موجود نہیں۔

ہمارے ان احباب کا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ قدیم علم کلام کا تعلق صرف عقائد سے ہے قانونی اور اخلاقی مسائل سے اس میں مطلقاً بحث نہیں کی گئی۔ لیکن متکلمین یہ نہ کرتے تو کیا کرتے علم کلام کا مقصد ہی عقائد تک محدود تھا قانونی اور اخلاقی مباحث کے لئے اس کی وضع ہی نہ تھی۔ ان چیزوں کے لئے دوسرے علوم کی حاجت تھی چنانچہ فنی تعصوف، اخلاق اور علم اسرار الہی نے اس ضرورت کو بھی رفع کیا اور اسلام کی تمام جزئیات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، جنگ، جہاد کے معنی اسرار اور حکمتوں کو نہایت تفصیل کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد اعظم صاحبؒ کی قیمتی تصنیفات اس وقت بھی کثرت سے موجود ہیں جن کے مطالعہ سے میرے اس بیان کی پوری تصدیق ہو سکتی ہے۔ اور اس عنوان کے ذیل میں جس سلسلہ مضامین کے لکھنے کا میں ارادہ کر رہا ہوں اس میں اس کا خیال رکھوں گا حسب موقع ان پیش باب تصانیف سے مفید اقتباسات

حاصل کروں۔

بہر کیف علم کلام جس غرض کی تکمیل کے لئے مدون کیا گیا۔ میرے نزدیک اس نے اس میں پوری کامیابی حاصل کی اور اب میرا مقصد ہے کہ عمل اسلامی دنیا کے ہر باب کے متعلق بصورت رسائلِ عمدہ یہ دو کلاؤں کے نام اسلام نے اس کے تحقیق کی کس حد تک پہنچا کر چھوڑا ہے اور اب ہم کو اس میں کہاں تک ترقیم یا اصلاح کرنے کی ضرورت ہے لیکن مجھ کو اپنے اصلی مقصد کے شروع کرنے سے پہلے جیسا کہ چند ان مقامات کا ذکر کر دینا ضروری ہے جتنکے بغیر ہمارا مقصد کامل طور پر اور آسانی کے ساتھ دل نشین نہیں ہو سکتا اسی طرح بعض ان خطرناک غلطیوں پر مطلع کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو اصول کے عام طور پر عام مسلمانوں میں تسلیم کر لی گئی ہیں اور جو آگے چل کر ہمارے ناظرین کو بعض اصلی مقاصد کے سمجھنے میں مزاحم ہو سکتی ہیں۔

لیکن جس اہم کام اور طویل الذیل سلسلہ کا میں نے بیڑہ اٹھایا ہے اور جس کا آغاز بنام خدا آج اس رسالہ سے کیا جاتا ہے وہ اسی وقت انجام کو پہنچ سکتا ہے جب کہ اس مضمون کے پڑھنے والے کلمات خیر سے میری ہمت پڑھائیں اور خدا کی توفیق شامل حال رہے اور عجب نہیں کہ اگر اس ناچیز مضمون کا کوئی حصہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تو پھر ہم کو قدیم و جدید ہیئت کے مسائل کے موازنہ کرنے کی بھی اپنے دسترس کے موافق جرأت ہو اور اگر زندگی ہے تو ان راشد ہم علم جدیدہ کے متعلق اپنی معلومات بڑھانے کی کوشش اور اس مقصد کی تکمیل کی ضرورت

کریں گے۔ شعر

وہ میریم عقد ما بہت زمرہ
اسے بسا آرزو کر خاک شدہ
اس سے قبل کہ توجید، رسالت اور جزا و سزا وغیرہ اسلامی اصولوں میں سے ہر ایک اصول کی علیحدہ علیحدہ رسائل کے ذریعہ سے بلا شاہرہ تعینیب مفصل تحقیقات کی جائے اس ایک رسالہ میں چند ایسے امثو کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو ان مباحث میں امداد دینے کے علاوہ اس موقع پر ایک خاص قسم کی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ ائمہ و حقیقت ایسے قوانین ہوں گے جن کی صحت ان محسوسات اور بدہیات پر مبنی ہوگی جو ہر طرح سے قابل اطمینان ہیں۔ اور انہی سچے قوانین کی میزان سے ہم آئندہ ہلکر اسلامی مسائل کی پوری تاریخ کر سکیں گے۔ گویا یہ مقدمات ہمارے نزدیک ان اصول موضوعہ کے طور پر سمجھے جائیں گے۔ جن کے سہارے ہمارے اکثر بیانات کی بنیاد دی قائم ہو گی۔

اب اگر کسی صاحب کو ان میں سے کوئی اصول مشتبہ یا غلط نظر آئے تو وہ بہت شوق کے ساتھ اپنے اعتراف کو ظاہر فرمائیں۔ لیکن اپنے کسی ایک دعوے کے ثبوت میں بھی چند کلمہ سہل و سہل کا نام لینے پر اکتفا نہ کریں۔ تاکہ ان کے پاس ایسی ہی کوئی دلیل قطعی نہ ہو جیسا کہ ہم اپنے ہر ایک دعوے کے ساتھ ساتھ پیش کریں گے۔ یا جیسے دلائل تو یہ کا وہ ہم سے خود مطالبہ فرماتے ہو گے اور اگر وہ صاحب صرف چند جرمی اور فرائسی معنیفیہ کے اقوال یا ذکر لینے ہی کو معلوم جدیدہ میں ماہر ہونا تصور

کرتے ہوں تو بھگوان ایسے مباحث سے بھی گوجم اپنے کو عاجز نہیں پاتے
مگر جب ایسے دور از کار فضولیات کا منظر سامنے ہو گا تو ہماری طبیعت
بھی صرف اسی قدر جواب کو پسند کرے گی کہ - شعر
مرئی گو برد و حکمت بہافظ مغرور
کھلک ماییز زبانے و بیاسے دارد

اس لئے ایسے لوگوں کی خدمت میں ہم عرض کئے دیتے ہیں، کہ وہ
بڑا کرم اپنا اور ہمارا ع۔ یزوت وقت ہرگز ضائع نہ فرمائیں۔ بلکہ فراموشی ویر کے
لئے سنن پروری۔ ہٹ و ہرمی اور نفس پرستی کو فراموش کر کے اور آخرت
کی تمام جواب دہی کو پیش نظر رکھ کر شش ماہ سے ان قیمتی مطالب کے
سننے میں مصروف ہو جائیں جو بڑی عرق ریزی کے بعد جمع ہو کر بنی نوع
انسان کی ہمدردی کی خاطر منظر عام پر لائے جائیں گے۔

چونکہ ان مضامین کا سلسلہ اگر خدا کو منظور ہے تو عرصہ دراز تک
قائم رہے گا۔ اس لئے علم دوست احباب سے توقع ہے کہ اس سلسلہ کے
تمام رسائل کو ایک جگہ جمع کرتے جائیں تاکہ پہلے میں دوسرے کا یا دوسرے
میں پہلے کا کوئی حوالہ آئے تو اس مقام کو بے تکلف نکال کر دیکھ سکیں۔
اب ان تمام ہدایات کے بعد ہم اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں
اور آرزو مند ہیں کہ اس کے پڑھنے والے تمام پڑھنے والے اور
ادبام سے دل کو پاک کر کے اور لانتظار الی من قال والانتظار الی ما
قال کو سامنے رکھ کر نیک نیتی اور انصاف پرستی کی واہ دیشے کے

لئے آمادہ ہو جائیں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ
شامان اور بعش رسام سر فیض
مملوک این جنابم و سکین این درم

احقر شبیر احمد عثمانی
دارالعلوم دیوبند

— ❦ —

العقل و النقل

تمام اہل فہم کے نزدیک یہ مسلمات میں سے ہے کہ نقل صحیح یا عقل کامل کا اتہاس انسان کے اولین فرائض میں سے ہے اور انہی دونوں کی اطاعت پر اس کے برگزیدہ کمالات اور حقیقی کامیابیوں کے حاصل ہونے کا انحصار ہے۔ پھر ہر چند کہ اہل تحقیق کے نزدیک ان دونوں ماحکوم عقل و نقل، میں کبھی نزاع اور خصوصیت بجز اس کے ممکن نہیں کہ یا نقل کی سمیت مشکوک ہو یا عقل کی سلامتی میں کچھ نقصان اور فتور واقع ہو جائے۔ مگر جب کبھی کسی وجہ سے کسی موقع پر ان دونوں میں خلاف محسوس ہوتا ہے تو انسان کے خیالات میں سمیت تزامن اور تذبذب پیدا ہو جاتا ہے اور دونوں ماحکوم کی کھینچ تان سے اس کو یہ دشواری پیش آتی ہے کہ وہ ان میں سے کس کے حکم کو قبول اور کس کو رد کرے اگر دونوں کی تعمیل کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہو اور کسی ایک کو ترجیح دے تو کیونکر دے۔ اس لئے سب سے پہلے مگر سب سے مشکل منزل (جس کے طے کئے بغیر ہم اپنے اصلی مدعا تک نہیں پہنچ سکتے) یہ ہے کہ عقل و نقل کا یہ قدم جھگڑا چلایا جائے جس کی بدولت پچھلے زمانہ میں سینکڑوں دانشمند آدمیوں کی قربانی ہو چکی ہے اور بہت سے بے قصور لوگ وار پر کھینچ دیئے گئے ہیں۔ جب کبھی مدعیان عقل نے قدم جمائے اہل نقل کے استیصال میں

تسمہ باقی لگا نہیں رکھا اور جب نقل کے بیوقوف پیروؤں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے بھی اپنے فریق مقابل کے حق میں سر قلم کرنے یا آگ میں جلا دینے سے کم کوئی سزا تجویز نہیں کی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس اختلاف عقل و نقل کی اصلی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس خوفناک نزاع میں کوئی صحیح صورت تطبیق کی ممکن ہے یا کسی اہل مذہب نے ان دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی یا کیا ان تطبیق دینے والوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسی سچی میں کامیاب ہوا؟

یہ وہ سوالات ہیں جن پر غور کرنا ہر ایک مذہب والے کا فرض ہے اور اس وقت ہم انہی مہتمم باشندانہ امور پر کامل طریقہ سے ایسے آسان پیرائے میں بحث کریں گے جن میں عام مباحث، عالم، مابہل، اور ذکی۔ یعنی سب مساوی طہر پر حشر لیں۔

قدیم سے قدیم روایات پر عبور کرنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عقل و نقل کی یہ نزاع اور باہمی کشمکش کسی ایک قوم، ایک ملک اور ایک ملت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ انسانی آبادی کے ہر طبقہ اور ہر حصہ میں دونوں قسم کی طبیعتیں ہمیشہ موجود رہی ہیں جو زمانہ کسی قوم کے حق میں ملتی و مرجع کی وحشت، بدویت اور عام تاریکی کا فرض کیا جائے اس میں بھی متہدین اقوام کی مانند دونوں طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی عقل کے ایسے پابند اور خیالات کے ایسے محکوم ہوتے ہیں کہ جو چیز ان کی عقل و ادراک سے خارج ہو اس کو وہ واقع میں موجود ہی

نہیں سمجھتے اور ان کے برخلاف بعضوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے کسی نہی بزرگ یا مذہبی مقتدا سے کوئی بات سن لیں تو بے چون و چرا ان کے حکم کے سامنے گردن ڈال دیں بشرطیکہ اس مقتدا کے مقتدا ہونے پر ان کو پورا اعتماد حاصل ہو چکا ہو۔

اس کے بعد ان دونوں گروہوں میں فطری و تشبیہ کا دروازہ کھل جاتا ہے پہلا گروہ دوسرے کو ساوہ ولی، کم عمل اور بیوقوف سمجھتا ہے اور دوسرے پہلے کو سببہ ادب، مغرور اور تافران قرار دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ دونوں میں کینہ اور بغض کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور زبانِ مولیٰ سے گزر کر بائد پاؤں تک جنگ و جدل کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اس پر بھی امر متنازع فیہ کا تعصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ طردِ ماجرا یہ ہے کہ بسا اوقات ایک ہی شخص اور ایک ہی کتاب کے دو قول اس مسئلہ میں متناقض پہلو رکھتے ہیں۔ اقد ہماری حیرت اور تعجب کی اس وقت کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم کو کسی ایک ایسی مذہبی کتاب میں جو کسی فرقہ کے نزدیک خطا و قصور سے بالکل پاک تسلیم کر لی گئی ہے۔ وہ متعارض کلام اس بارے میں نظر پڑتے ہیں۔ جب ہم مولیٰ علیہ السلام کی کتاب کی وحیِ گروائی کرتے ہیں تو امثالِ سلیمان کے تیسرے باب میں یہ عبارت لکھی ہوئی ملتی ہے۔

”اپنے سلسلے دل سے خداوند پر توکل کرو اور اپنی سمجھ پر ٹیکہ مت کرو اپنی ساری راہوں میں اس کا اقرار کرو وہ تیسری

رہنمائی کرے گا۔ اپنی نگاہ میں آپ کو فائشِ مندرمت جان، خداوند سے ڈرو اور بدی سے باز رہو۔ یہ تیسری ناف کے لئے صحت اور تیسری ہڈیوں کے لئے تراوش ہے۔“ اور انہی امثال کے آشوبی باب میں لکھا ہے کہ:-

”کیا وہ انائی نہیں پکارا تو اور کیا فہید اکاز بلند نہیں کرتی۔ وہ سڑک کے پاس اونچے معاسوں کی چوٹیوں پر اور چارے کے ہجو ترے پر کھڑی ہوتی ہے وہ پھانگوں کے نزدیک شہر کے مدخل پر جہاں سے دروازوں میں داخل ہوتے ہیں چلتی ہے کہ اسے آویس میں تبہیں بٹاتی ہوں۔ اور بنی آدم کی طرف اپنی آواز اٹھاتی ہوں۔ اسے بیوقوف و خرد کو کھبو، اور اسے باہر اٹھنے والا دل پیدا کرو۔ سنو کہ میں لطیف مضمون کہتی ہوں۔ اور میرے ہوں سے جب وہ سمجھتے ہیں تو بھی باتیں نکلتی ہیں کہ میرا منہ بچ کہتا ہے، اور میرے لبوں کو شکر سے نفرت ہے۔ میرے منہ کی ساری باتیں صداقت سے ہیں ان میں کچھ نیرضا، ترجیح نہیں، وہ سب اس کے نزدیک جو دانش رکھتا ہے سید سے ہیں اور ان کے خیال میں جو حقیقت شناس ہیں راست ہیں۔“

پاؤں رسول نے جو خط و رسویم کو لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-
”غرض میں اپنی عقل سے خدا کی شریعت اور جسم سے گناہ

کی بندگی کرتا ہوگا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کی شریعت کا اہتمام وہ اپنی عقل کے بھروسے پر کرتے تھے لیکن اس کے خلاف انہیں پاؤں رسول نے جو خط کر تہیوں کو تحریر کیا ہے اس کی عبارت یہ ہے۔

”اور میری عبارت اور میرا وعظ انسانی حکمت کی و لغریب بات کے ساتھ نہیں لیکن روح اور قدرت کی دلیل کے ساتھ تھا تاکہ تمہارا ایمان نہ انسانی حکمت سے بلکہ خدا کی قدرت سے ثابت ہووے ہم کا علموں کے نزدیک حکمت کی بات ہوتے ہیں۔ مگر اس جہان کی اور اس جہان کے ثانی حاکموں کی حکمت نہیں ہوتے۔ بلکہ ہم وہ حکمت الہی ہوتے ہیں جو چھپی ہوئی ہے۔ یعنی وہ پوشیدہ حکمت ہے خدا نے زمانہ کے آگے ہماری ہدایت کے لئے مقرر کیا تھا۔“

پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ۔

”اب ہم نے دنیا کی روح بلکہ وہ روح جو خدا سے ہے پائی تاکہ ہم ان رازوں کو جو خدا نے ہمیں بخشے ہیں سمجھیں۔ اور ہم ان رازوں کو انسان کی سکھائی باتوں سے نہیں بلکہ روح القدس کی سکھائی ہوئی باتوں سے عرض روحانی چیزوں کو روحانی عبارت سے ظاہر کریمان کرتے ہیں۔ مگر نفسانی آدمی

۱۔ دیکھو انجیل مطبوعہ ۱۸۴۳ء ۲۔ دیکھو انجیل مطبوعہ ۱۸۴۳ء

خدا کی روح کی باتوں کو قبول نہیں کرتا کہ اس کے نزدیک مادیان کی باتیں ہیں اور وہ ان کو سمجھ نہیں سکتا کہ وہ روحانی طور سے یوحییٰ تعالیٰ ہیں۔“

شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دونوں قسم کے مضامین موجود ہیں۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ دنیا عقل کے موافق جنت میں داخل ہوں گے اور دوسری جگہ اہل الجہنم جلد یعنی اکثر مشرکین لوگ جو قوت ہوں گے، یہی مشہور ہے۔

○ آپ کے بعد جو علماء اور حکماء آپ کی امت میں گزرے ان کے اقوال بھی اسی طرح بظاہر متضاد رہے اور امام غزالیؒ کے زمانہ تک غالباً بہت کم عالم ادھر متوجہ ہوئے جنہوں نے اس عقل و نقل کے اختلاف پر باغ و پابند اور مشکل بحث کی ہو اور تمام شبہات کو رفع کر کے یہ دکھلایا ہو کہ اس اختلاف کا اصلی مذاک کیا ہے۔ دونوں فرقے کے استدلال کس درجہ تک درست ہیں اور انبیاء یا اکابر علماء کی کتابوں میں جو بظاہر اختلافات معلوم ہوتے ہیں جن کی طرف ہم نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کے اہتمام اور تطبیق کی صحیح صورت کیا ہے۔

میرا مقصد ہرگز نہیں کہ امام غزالیؒ سے پہلے کوئی شخص عقل و نقل کی تطبیق کی صورت سمجھ ہوئے نہ تھا بلکہ یہ فرض ہے کہ ان سے پہلے اس مسئلہ کی خاص تشریح کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کے حکماء انہی انوار کے بیان میں زیادہ تاکید و تفصیل سے کام لیا کرتے

ہیں جن میں کسی قسم کے خفا اور مغالطہ کا اندیشہ ہو۔ یا وہ ایسے امراض ہوں جن کے اندر عام طبائع بھٹکا پائی جائیں۔

تم خود اعزاء کو لو کہ والدین کی اطاعت اور اولاد پر ترکم اور شفقت۔ یہ دونوں چیزیں باوجودیکہ مذہبی ضرورت میں سے ہیں۔ مگر اولیٰ ———
چونکہ ایک گویہ نفس کی خواہش کے خلاف اور دوسرے مدتنہا انسان بلکہ تمام حیوانات کی اقتضائات طبعیہ میں سے ہے اس وجہ سے حکیم مطلق نے عتق والدین کی خرابی اور ان کی اطاعت کی خوبی کو بکرات و مرآت اور باجمالی و تفصیل جس قدر مختلف متراٹوں سے تعلیم فرمایا ہے سحر علی الاولاد کے احکام میں اس کا عشر عشر بھی نہیں۔

تھیک اسی طرح علماء سلف کے زمانہ میں چونکہ عام طور پر مذہبی دنیا کا بدلہ ڈالنا کسی اہل مذہب کے نزدیک بھی روا نہ تھا۔ اس لئے نہ عقل و نقل میں کثرت نزاعات قائم ہوتے تھے۔ نہ علماء کو ان دونوں کے معتد فیصل کرنے کی نوبت آتی تھی۔ اور نہ اس کی حاجت بھی جائے گی کہ ان دونوں کی قطبی کے اصول یا اختلاف کے اسباب بیان کئے جائیں۔

اس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرا فلسفیت اور الحاد کا رنگ غالب آیا عقل ناقصہ جزئیہ کی گرم بازاری ہوئی اور نقل کی قدر و منزلت گھٹی۔ اسی قدر عقل و نقل کی متازت بڑھی گئی اور امام غزالی کے زمانہ تک اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ان دونوں (عقل و نقل) کی موافقت و اتحاد کے واسطے کچھ آئین بنائے جائیں اور ان میں سے ہر ایک کے

مدد کی تعین وضاحت کے ساتھ کر دی جائے۔ چنانچہ امام غزالی نے اس پر قلم اٹھایا اور انصاف یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ کی ضروریات کے موافق اس مقصد کی پوری تحیکل کر دی۔

لیکن چونکہ علماء سلف کو اس تعین و تفصیل کی حاجت پیش نہیں آئی تھی۔ اور علماء مابعد نے امام صاحب مدرس کی تشریحات پر حوالہ کرینے کو کافی سمجھا اس واسطے ان سے پہلے اور ان کے بعد اکثر ایسے ہی مبہم اور متعارض اقوال عقل و نقل کے بارے میں جمع ہوتے رہے۔ جس سے آج کل کے کوتاہ نظروں کو سادہ لوح علم کے ٹھکانہ کرنے کا خوب موقع ہاتھ آیا اور انہوں نے بزرگوں کے کلام کے وہ مختلف ٹکڑے جن کو امام غزالی نے احیاء العلوم وغیرہ میں عمدہ طور پر جمع کر کے دکھلا دیا تھا۔ جاہل اپنے استہزاء میں پیش کر کے سیدی اور سپیہ مسلمانوں کو طریق حق سے ہٹا دیا۔ چنانچہ اب میں اس قسم کے اکثر کلام مکار اور علماء اسلام کی کتابوں سے انتخاب کر کے ذیل میں نقل کرتا ہوں جن کو پڑھ کر ایک غالی الذہن آدمی سمجھ کر تحریر اور تہذیب میں پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد امام غزالی کی مدخل تقریر ان کی منقرق تصانیف سے اقتباس کر کے ہر ناظرین کو اس حیرت اور پریشانی کو کافی مددک مٹا سکے۔
البتہ یہ ضرور ہے کہ عقل و نقل کی جو مخالفت آج کل دیکھنے میں آ رہی ہے کہ عمدہ ہوا دونوں حکمتوں میں سفرا ٹھونچے۔ اور اعلان جنگ ہو کر لگا کر معرکہ لڑائی ہونے لگی۔ پھر لڑائی بھی جاتا رہے نہیں بلکہ زمانہ

حال کی عقل نے نہ سہ کمر بستہ ہو کر مصلح جاہلانہ کارروائی شروع کر دی۔ چونکہ یہ بہار یا خزانہ امام غزالی نے دیکھی تھی اور نہ ان سے پہلے کسی اور نے۔ اس لئے اگر زمانہ حال کی بعض خصوصیات پر نظر کر کے امام غزالی کی تقریر میں بھی کوئی کمی ہوگی تو میں اس کو آزادانہ ظاہر کروں گا اور پھر کسی اور عالم کی تقریر اگر ان کی تقریر سے زیادہ تسکین بخش سمجھی جائے گی تو اس کو سب سے اخیر میں درج کروں گا تاکہ ہمارے رسالہ کے وہ ناظرین بھی جن کے دلوں میں اس زمانہ کی اندیشہ ناک آزادی کا کوئی اثر ہو ان کے لئے آخر تک تمام آزاد کا موازنہ کر کے نیک دلی کے ساتھ سچائی اور راستی کو قبول کر سکیں۔ واللہ و تر من قال۔

دور عجبے گردش این دائرہ وارد
وقتی است که گردون بگزارد دوران را
آنکوں اثر تربیت و ہر برآں است
نامتد خرمبر و بد نقطہ کان را
بر فاسدہ زیر شور زمین چند نگارے
یکسر کف غزل بوز اواد وصال را
بہر خود قوت پرازدگس نیست
بالا پر ای پیچیدان مہر دان را

○ سب سے پیشتر ہم ان مایان عقل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو عام طور پر فلاسفہ اسلام یا حکماء اسلام کے لقب سے مشہور ہیں اور جن کی فہمی کا اکثر حصہ عقل کی پیروی میں صرف ہوا ہے۔ شیخ بوعلی سینا اور ابن رشد اندلسی اس گروہ کے بہت بڑے امام گنہے ہیں۔ یہ حضرات اشارات کے آخر میں ایک مستقل باب اس کے لئے منعقد کیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے بہت سے علوم ممکن ہے کہ حصول متوسط کے مرتبہ سے بالا تو ہوں۔ وہ

در حقیقت صمیم ہوں مگر عام طور پر لوگ ان کو سمجھ نہ سکیں۔ کیونکہ جو چیز انسانی میں علوم اور ادراکات کی حاصل کرنے والی ہے وہ ایک لطیف چیز ہے جس کو روح سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جب علم کے حاصل ہونے کا بغنی وہ ہی جزو لطیف ٹھہرا تو جس قدر جسم کی کثافت کو بذریعہ مجاہدات اور یا ضات کے زائل کیا جائے گا۔ اسی قدر روح کی لطافت میں ترقی ہوگی اور لطافت کے بڑھنے سے علوم میں یقیناً وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔ چونکہ انبیاء اور اولیاء بھی ترک لذت اور کسر شہوات کے بعد جسمانی تعلقات سے بہت کچھ بیگانہ ہوجاتے ہیں اس لئے اگر ان کو بہت سی وہ باتیں معلوم ہوں جو ہم کو نہ ہوں تو یہ کوئی قابل استعجاب امر نہیں ہے اس کے بعد شیخ کہتا ہے۔

والعارفون المتزھون
اور خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت
۱۵۰ وضع عنہم و غیر معارف
ان سے نہائی تعلق کا بار لگا کر دیا جاتا ہے اور
البدن و انفکون انشوائ
و نہائی شغل سے وہ علینہ ہوجاتے ہیں۔ تو
خدا و ان عالہ القدس
ان کی قربت خاص طور پر عالم اقدس میں اور عام ساق
العلوۃ و انتقشابا لکمال
کی طرف مبذول ہوجاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے کمال
الاحی و جعلت لہم اللذۃ
کے ساتھ مصروف اور بڑی لذت اٹھانے والے
العلیاء و قد عرفنا و لیس
ہوتے ہیں مگر یہ کہ تم پہلے مسموم کرکچے ہو۔ اور یہ
هذا الا لئلا ذمفقوذا من
نہیں کہ رب میں جس میں ہو تو وہ اس لذت سے
کل وجہ و النفس فی البدن
بالکل محروم رہیں۔ بلکہ ایسے لوگ جو خدا کی عظمت
بل المتعسوفن فی تامل الجہت
مجموعہ کی نظر میں ڈوبے ہوئے اور جسمی مشغول

المعرضون من الشواغل يصيرون
وهو في هذه الابواب من
هذه الذاحقاء وافرأ قد
يتكمن منهم فيضغفهم من كل شي
شرح اشارات محقق طوسی میں ہے :-

جل جنب الحق تعالى ان يكون
شرعية لكل داسر او يظلم عليه
الا واحد بعد واحد ولذا قال
فان ما يشغل عليه هذا الغن
ضمة لتسفل وصبرة للجمال
فمن معناه فاشأنا عنده
فليته نفسا لعلها لاتناسب
وكل ميسر لساخا لدر المواد
ذكرت الخواصدين الى الحق
والاشارة الى ان سبب تكاثر
الجمهور لغف المذکور في
هذا النمط هو جعلهم بها فان
الناس اعداء ما جعلوا وادى
ان النوع من انكسار ليس متنا

افراں کہنے والے ہیں وہ ان اجسام شمار
کہیں اس لذت سے اتنا بڑا مسخر چاہتے ہیں جو
ان پر غالب آکر تمام اشیا سے ان کو غارت کر
دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی رحمت اس سے مطلق اور رفیع ہے
کہ ہر وارث اور سوار کی گذر گاہ میں ہائے یا اس
پر مخصوص افراد کے سوا کوئی مطلع ہو سکے اور اسی
دوست سے سوشیوں کا طریقہ غافل کے نزدیک ٹھکانہ
اور غائب کے واسطے حیرت انگیز طریقہ ہے تو جو ان
کی باتوں کو سنا کر ان سے اعراض کرے اس کو
پہانچے کہ وہ اس بارے میں اپنے نفس کا تسویر
کیونکہ اس کو ان سے مناسبت نہیں ہے۔ اور ہر
شخص کے واسطے وہی بات آسان ہوتی ہے، جس
کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا
وسیع لوگ بہت کم ہائے ہاتھ ہیں اور اکثر لوگ
افنی طریقوں سے اس بار پر انداز کرتے ہیں کہ
وہ اس کو نہیں ہائے۔ آخری ہمیشہ مسلم باقر
کا دشمن ہوتا ہے۔ پھر یہ کمال ہر ایک کو صنف

محصل بالاکتساب الحظ بل
انما يحتاج جمع معدداً الى جوه
متاسب للجدب الفظرة لہ
حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتا نہ تنیک اس
کا جوہر طبیعت نظیر اس کے مناسب نہ
ہو۔

ان دونوں جہاتوں سے شیخ اور علامہ طوسی کا یہ مطلب ہے کہ اگر
انہی اور اولیاء سے بعض ایسے امور منتقل ہوں جو ہماری عقل کے دائرہ
سے باہر ہیں تو ہم کو ان کی اس بنا پر تصدیق کرنا چاہیے کہ ان کے نفوس
بہیمیت کی علامات اور بشریت کی کدورت سے پاک صاف ہوتے ہیں اور
ہم کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن شیخ کی اس تقریر سے اس کا کوئی
جواب نہیں نکلا کہ اس صورت میں ہندوستان کے جوگی۔ نعداری کے راہب
اور پہلے زمانہ کے اشرافیوں کے تمام علوم کیوں قابل تسلیم نہیں ہیں۔ جبکہ حاکمیت
کی ترقی کا مدار تجرد اور ترک دنیا پر ہو تو ان لوگوں کا تجرد انہیاء اور اولیاء
کے تجرود سے کیوں کم ہے۔ بلکہ بقا ہرے لوگ بہت زیادہ آدمیوں کی حمایت
سے مستغز اور انسانی جذبات کے فنا کر دینے والے نظر آتے ہیں۔ چونکہ اس
حیثیت سے شیخ کی تقریر بالکل ناقص ہے اس لئے اب ہم شیخ کو چھوڑ کر
دوسرے علماء کے اقوال کا مختصر انتخاب درج ذیل کرتے ہیں۔

○ قاضی ابن رشد اندلسی جس نے امام غزالی کی کتابوں کا رو لکھا ہے
اور اہل یورپ مسلمانوں کا سب سے بڑا فلسفی خیال کرتے ہیں۔ ایک مقام پر
لکھتا ہے کہ خدا نے ہر حق نے اپنی بھی کتاب میں ہم کو باہجائیں اور اس کی

کے طریقہ پر توجہ دلائی ہے اور ہر چیز کو عقل سے دریافت کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے۔

۱۵۱ کانت طہذہ المشائخ اور جب یہ شریعت تھی ہے اور لوگوں کو اس طور
حقاد داعیۃ الی النظر الموعی فکر کی طرف ہدایتی ہے جس سے شرعی معرفت۔
الی معرفۃ الحق فانما عشر حاصل ہو تو ہم مسلمانوں کا عقلی یہ عقیدہ ہوتا
المسلمین لعلہ علی القلۃ من چاہیے کہ دلیل اور ہر بات سے شریعت کے خلاف
لا جوہی النظر البہدائی الی کبھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ شریعت بھی تھی
مخالفة ما وں جب الشیخ فاما ہے اور دلیل بھی تھی، اور ایک کبھی بات دوسری
الحق لا یخاد الحق شیہ کبھی بات کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

دوسرے موقع پر مصنفوں کے روحانی طریقہ کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

و نحن نقول ان هذا الطريقة ہم کہتے ہیں کہ اس طریقہ کے وجود سے اگرچہ ہم
ان سلمنا وجودہا فانہ لیس کو ارتقاء نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ
عامۃ الناس بیاہر ناس و لو لوگوں میں عام نہیں ہو سکتا۔ پس اگر اسی طریقہ
کانت هذه الطريقة علی الفسوق کا ورنہ پناہ شریعت کا مقصود ہوتا تو فکر اور
بالناس لبطلت طريقة النظر استدلال کا وجود بالکل باطل اور حجت قرار پاتا
ولکن وجودہا بالذات عینا عاقل کے ساتھ قرآن قیاس اور استدلال کی طرف بلا
والقرآن کلام انشاداً علی النظر رہا ہے اور فکر کے طریقوں پر شبہ کر رہا ہے۔

والاعتماد وتنبیہ علی طرق النظر

نہ دیکھو نہ اندازہ نہ روش و طریقہ نہ رہا

نہ دیکھو نہ اندازہ نہ روش و طریقہ نہ رہا

○ اس کے مقابلہ پر علامہ ابن تیمیہ رسالہ الفرقان میں لکھتے ہیں :-

فن جوب ما یقولون، والانیان تو جو شخص انبیاء علیہم السلام کے ارشاد اور لوگوں
و یقولہ فیہم وجہ الصواب کے اقوال کا ترجمہ کرے گا وہ بیشک انبیاء کو حق پر اور
معہدہ الخطا و معہدہ الفہم اس کے حق انہوں کو خطا پر پائے گا دیکھو ورنہ جو سب
کما قال الرازی مع انہم من سزا و آدمی روایت کا فطیر مبرا نہیں ہے والے ہیں
انہم من اعطوا الناس طعناً بیان تک کہ انہوں نے ایک ایسی بات کہی جو اس
فی الادلة السمعیۃ حتی ابتدع پہلے کسی نے بھی نہیں کہی تھی یعنی یہ کہ روایات سے
قولاً ما عوف بہ قائل مشہور کبھی بیشک کا ترجمہ حاصل نہیں ہو سکتا اس دلیلی کو
مخبر وہو انما یقین الیقین و ما بھی یہ کہنا پڑا کہ میں نے فلسفہ اور علم کلام کے طریقوں
هذا فاند بقول لقد تاملت لطو میں یہ بات نہ لی کیا مگر ان کو ہرگز ایمان نہ آیا نہ ایک
الکلامیۃ والمناہج الفلسفیۃ فا طریقہ کا شفا نہیں دے سکتی یہ بات کو سیراب کر سکیں۔
مربیہ متفی علیہا و تروی غلیلا ان تمام دستور میں نزدیک سے قرآن کریم کا کہنے کہ
وجدت اقرب الی طریقۃ الفکر ثبوت کی جانب میں ہم یہ آیتیں پڑھ لیتے ہیں الیہ
اقرأ فی الاشیات الیہ یصل الیک یصل الیک الطیب الی الرحمن علی العرش استوی
اور حق میں لیس کٹھنہ شی اور لا یحیطون بہ
واعلم۔ اور ہر کوئی تجھ سے بڑا ترجمہ کرے گا۔ وہ بھی
میری طرح اس بات کو سمجھے گا۔ اور نیز جو
شخص ان لوگوں کے اقوال میں غور کرے گا
جنہوں نے انبیاء کی تعلیمات اور روایات سے
و ایضاً من اعتدوا علی طرق

الذین لا یستعمون بتعلیمہ استدلال نہیں کیا تو وہ ان کو تحریر تک۔ مگر یہی
الانبیاء و امر شادھو اخبار ہم اور جہل مرکب میں بند پائے گا۔

و جدم کا نام حائر بن ضالین، اشکوت مرتابین اوجاہلین جہلا مرکباً
○ شیخ اکبر محمدی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ سے حسن الفاظ سے اپنے ایک
خط میں امام فخر الدین رازی کو نصیحت فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ صاف
اور کلمے ہوئے الفاظ ہیں۔ وہ امام رازی کی حمیت وینے کا شکوہ ادا کر کے
تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فاذن ینبغی لہذا قل ان یعرض شیخاً اب معتمد کے لئے مناسب ہے کہ وہ تھا
الجدو ولا یبغی ماسودا فی قید نظرة کی جو دو کم کی خوشبو کی سے ناز و نوا
او کسبہ فائزہ علی شہیجہ فی ذاک و اور نورو استدلال کی قید میں دیکھنا ہے۔
لقد اکتفی من الفت بد من الخواہم لیکر کہ وہ اس طرح ہمیشہ مشترک حالت میں
اندر آت رہتا ہے چاہے چاہے تہجد سے تہجد سے ایک دوست

وقد بکیت یوماً فاناک ہوو من جیوفا نہ جو جیسے اس سے تم سے چھوڑ چھوڑتے
عن بکاک فقلت مسئلہ اعتقد تھا ہر جواب دیا کہ ایک مسئلہ میں ہیں پس
منذ ثلثین سنۃ فینبغی لی المساعۃ سے اعتقاد جلتے ہوئے تھا۔ اسی وقت ایک
بدلیل لاسو لی ان الامر علی خلاف دلیل سے خبر کر کیا اطمینان ہے کہ جو تحقیق
ما کان عندی فبکیت لعل الذی اصح لیکر کہ اب ظاہر ہوئی ہے۔ وہ بھی پہلے کی
لی ایضا یکن مثل الاول لفتا تو ثلث طرح غلط ہوگی یہ خود تہذیب اقول ہے اور

نہ دیکھو رہا لی تیسے طور و رسم و طرز۔

ومن الخال علی الوافف جوبتہ لعل واقعی وہ شخص جو عقل اور استدلال کے مرتبہ
والنکران یستویج وان یکن فلا سے آگے نہیں بڑھا، لیکن ہے کہ سکون و

سیما فی معرفۃ اللہ تعالیٰ فانا بانک اطمینان اور راست مائل کرے ہاتھ و پاؤں
یا اخی یبقی فی حذوہ الوسطۃ ولا تہائی کی معرفت میں قریبے ہر دہر بھی تم
تدخل طویع الویاضات۔ والحقائق لیکر اس کو اب و لغو و کلام میں پڑے
والجہادۃ والخلوات النقی شرحاً بھگتے۔ اور یوں ریاضات۔ مجاہدہ۔ مکاشفہ

موصول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تتناول اور نصوات کا وہ طریقہ اختیار نہیں کر لکھتے ہیں
مائل من قال فیہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا
من مہادنا استیناۃ مرحۃ من عندنا ہے اور میں کا نتیجہ یہ ہے کہ تم بھی وہ چیز
وعلنا و من لدنا حدیثاً حاصل کر لو جو اس بندہ کو حق کی میں کی نسبت

فانما فی ذلک ہے کہ مجھے اس کو خاص اپنے پاس سے رحمت اور علم عطا کیا۔
○ حضرت شیخ احمد صاحب سرمدی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس
مضمون کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:-

بلکہ مقصود آنست کہ نسبت یقین مقصود ہے کہ لوگ اپنے اعتقادات میں بھی
باعتقادات یقینی و اطمینانی مائل مضبوط ہوں اور ایسا یقین اور اطمینان حاصل کر لیں
کہ کہ ہرگز ہر مشکک زائل نہ کر دو نہیں کو کوئی شک ڈالنے والا نازل نہ کر سکے اور وہی
باز و شہید باطل نہ نشو و چھٹے کے شہادت پیدا کرنے سے ڈانڈا رہے کیونکہ استدلال
استدلال جو یقین است و استدلال کے ہرگز کوئی کے ہرگز نہیں اور استدلال ڈانڈا رہے

نہ دیکھو کہ کون کونسا ادیان عالمی مملوہہ و مملوہہ ۱۲۰۲

سے تکبیر الایہ حکوا ملکہ نہیں ٹھہر سکتا خوب آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر نظم کی انقلاب ہے۔ سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں۔

• دینا نچر طور عقل و رائے طور جس اور یہاں کہ عقل کا راستہ حواس کے راستہ سے علیحدہ
ست کہ انچہ جس حد کہ دشو ہے کہ ہر چیز حواس سے دجائی جائے عقل سے مسلم
عقل اور لگائی نہاید چہ نہیں ہو سکتی ہے اس طرح نبوت کا راستہ عقل کے
طور نبوت فرمائے طور عقل ست راستہ سے علیحدہ ہے یعنی جس بات کو عقل سے فرما
انچہ عقل حد کہ نشود جس نبوت نہیں کر سکتے اس کو نور نبوت سے جان سکتے ہیں
درک ہی آید و سہر کہ وائے طور عقل اور جو شخص عقل کے اوپر کوئی اور طریقہ علم کا
طریقے از رائے معرفت اثبات فی تسلیم نہیں کرتا وہ در حقیقت نبوت کا محرک اور
نمایند فی الحقیقت مشار نبوت ست جاہل کا محتال ہے۔

و معادوم جاہل ہے۔

ذرا اور آگے چل کر لکھتے ہیں۔

• و بالجلد طریق ریاضت میاں را اور حاصل یہ ہے کہ ریاضت اور مجاہدات کا طریقہ
در رنگ طریق نظر و استدلال نیست بھی نظر اور استدلال کے رنگ میں اس وقت قابل
اعتبار پیدا کنند کہ معقول بتصدیق اعتبار اور اعتماد کے ہے جبکہ اس کی تصدیق
انبار لہو۔ علیہا الفصلات انبار علیہم العزائم والہوم کے ذریعے ہو
والتسلیمات ہے۔ چلے ہے۔

لے تعمیر کتبات بود ماہ مجاہدہ ولی مرتبہ ۳۳ ہجری۔ لے ایضاً ماہ مجاہدہ ۳۔ لے ایضاً ماہ مجاہدہ ۳۔

○ علامہ ابن خلدون بھی مجدد و صاحب کے پورے پورے ہم زبان ہیں۔ وہ مجدد صاحب سے ذرا زیادہ و تشریح کے ساتھ اپنے مقدمہ تاریخ میں تحریر کرتے ہیں۔

• فاتقہم اور لکھ و مدرس کا تکت پس تم اپنے علم اور معلومات کو اس صحر کر دینے
فی الجموع و استجمع ما امرک انہ یثبت میں خطہ دار کچھو کہ جو ہم جانتے ہیں نام ہو جوتا
من اعتقادک و ملک فہو احوص اسی میں مختصر ہیں، اور شارع علیہ السلام کے بتگشت
علی معلوماتک و اعلم بما ینفذت ہوتے اعتقادات اور اعمال کا اتہاس کر کرکے کہ وہ
لانہما من طوس حق و اور لکھ تم سے زیادہ تباہ ہے یہی غرور اور سوو ہو ہو کو
ومن نفاق و دمع من نفاق کھنے والے ہیں ان کا علم تباہ ہے علم سے اوپر اوہ
عقلک و لیس ذانک بقادچ فی ایسہ ذریعے سے حاصل ہوتے والا ہے جو تباہی عقل
العقل و دما اس کہ بل العقل کے دائرے سے وسیع تر ہے باقی جاہل اس کہنے
مغیران معین فاحکامہ یقینیۃ عقل اور اس کی سماعت میں کوئی نقص پیدا
لاکن چوچا۔ غیر انک لا قطع نہیں ہوتا بلکہ ہم عقل کو ایک میزان میں سمجھتے
ان تون بہ امور التوحید ہیں جس کے احکام تفسیری اور مجاہدات سے پاک ہیں۔

الآخرۃ و حقیقۃ النبوة و ہاں یہ میزان اتنی بڑی نہیں ہے کہ تم اس سے
حقائق الصفات الالہیۃ و توحید و آخرۃ کے امور اور نبوت و صفات الہیہ و غیر
کلی ماوراء طوس کا فان ذالک کے حقائق کو وزن کرنے لگو یہ تو ایسا ہی ہے،
طبع فی محال و مثال ذالک ہمارا کہ کوئی شخص ایک سرنے یا ندی کے قتلے کا
مثال جہل رمای المیزان الذکا کاٹا دیکھے اور میں اس پہاڑوں کے توڑنے کا راز
عوضت بہ الذہب فی طمع ان کہنے لگے۔ تو یہ نہ کہا جائے کہ کڑا و وزن کھنے

یذکر یہ الجبال هذا الایہ ک
 علی ان الحیزان فی احکامہ غیرہ
 یک العقل یقف منہ ولا یحتد
 طویۃ حق یکتون لد ان یحیط
 بامثله وبمقاماتہ فانہ ذوق من
 ذرات الوجود الحاصل منہ فی
 فی هذا الغلط من یقدم العقل
 علی السمع فی امثال هذا الغلط
 وقصور فہمہ وخیالہ لہ فی
 تبیین ہذا الخ من فائدہ
 دوسرے مقام میں لکھتے ہیں :-

"وقد تنبہ لذاتہ فی عہدہ الی
 علی ان سبباً نقال فی حجاب
 المبدأ والمعاد ان الہدایۃ
 وحوالہ ما یوصل الیہ بالہدایۃ
 ہرکۃ عقلیۃ واما انیس لانہ
 علی نسبتہ طبیعیۃ محفوظۃ وبتوفیق
 ولحدۃ فذلک فی الہدایۃ عقلیۃ
 اور انیں افلاسہ علی سبب اسے بھی اس بات پر
 متنبہ ہو کہ کتاب الہدایۃ وحوالہ میں یہ کہہ دیا ہے کہ
 ذوق کو مٹا دینا شایہ ہے پر تو ہم دلوں کی ادائیگی
 نہ کر کے نبی کو مگر ایسا ہر مضمون کا توفیق
 اور ایک خاص طریقہ کے تحت میں داخل ہے قرآن
 کے افادہ پر ان سے ثابت کرنے کی گنجائش حاصل تھی
 ہے جو حجابی مادہ اور براہ سزا کا عنصر نہ ہو

نہ ویکو مقدمہ ابن عربی طبرہ معرفہ ۳۰

سبۃ واما المعاد الجسادی وہ
 احوالہ فلا یکن ادراکاً لہا
 لانہ لیس علی نسبتہ ولحدۃ
 قد بسطہ لنا الشریعۃ الحقۃ الخ
 فیستخرجنا ولتوجع فی احوالہا
 جو معلوم نہ پذیر عقل کے بلکہ پذیر ہوش کے معلوم ہوں ان کی مابت
 لکھتے ہیں :-

انہذا الکشف لایکون حقیقاً
 کاملاً عندہم الا اذا کان تاشیا
 عن الاستقامۃ لان الکشف قد
 یحصل لملعب الجوع والخلوۃ
 کاشف
 والمضامی وغیرہم من المراتب
 ولبس ملوہ الا ان الکشف التاشی
 عن الاستقامۃ ومثالہ الخلوۃ
 العقلیۃ اذا کان تاشیۃ او
 مقدرۃ دھوی فی الجھتۃ المرئیۃ
 فانہ یشکل فیہا معوجاً علی غیر صورتہ وان کانہ مستطیعاً فیشکل فیہا المرئی حقیقاً
 ہرگز کشف نہیں کیونکہ وہ کسی خاص نسبت اور
 فائدہ کے بچہ واقع نہیں ہے لیکن شریعت محمدیہ
 حق نے اس کی حالت تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہے
 جس میں کاشی ہا جس کی طرت روح کے دیکھ
 لے۔
 ہرگز کشف بھی صحیح اور کامل اس وقت تک نہیں
 ہوگا جب تک کہ استقامت دینی شریعت کے احکام
 پر چڑھ کر عمل نہ ہو اور یوں قہر تاشی
 اور صورت سے صفائی قلب حاصل نہ ہوں کو کھی
 کشف ہونے لگتا ہے جیسا کہ سارمنہ نصاریٰ اور
 ریاست کہنے والے اور ان دونوں کی مثال ایسی
 سمجھو کہ ایک حالت آئینہ پر عجب اور متروک اور بجا
 نیا، جو اس میں کسی چیز کا کس بھی ٹیڑھا ترجھا
 پڑتا ہے اور ایک آئینہ مسلح ہموار، جو اس میں
 شکل بھی سیدھی اور صحیح صبیح دکھائی دے گی۔
 فانہ یشکل فیہا معوجاً علی غیر صورتہ وان کانہ مستطیعاً فیشکل فیہا المرئی حقیقاً

نہ ویکو مقدمہ ابن عربی طبرہ معرفہ ۳۰ ج۔ ۱ ویکو مقدمہ ابن عربی طبرہ معرفہ ۳۰ ج۔ ۲

○ حضرت شیخ شہاب الدین صاحب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:-
 عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس
 کا انزال نہ ہو سکے یہ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور
 صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔
 ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ
 وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے
 کوئی بات سنی لی چنانچہ عوارف میں کہتے ہیں:-

”فما اضطراب الطبائع الا واضحا“
 ”عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا انزال نہ ہو سکے یہ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سنی لی چنانچہ عوارف میں کہتے ہیں:-“
 ”من الجہل قلوب الصوفیة واعية“
 ”انہیں نہ وہ (عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا انزال نہ ہو سکے یہ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سنی لی چنانچہ عوارف میں کہتے ہیں:-“
 ”احکوم اساس الحقوی ذبا لتقوی“
 ”انہیں نہ وہ (عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا انزال نہ ہو سکے یہ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سنی لی چنانچہ عوارف میں کہتے ہیں:-“
 ”نکتہ فوسلہم وبالزہد حذت“
 ”انہیں نہ وہ (عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا انزال نہ ہو سکے یہ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سنی لی چنانچہ عوارف میں کہتے ہیں:-“
 ”قلوبہم فلما عدوا شواغل“
 ”انہیں نہ وہ (عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا انزال نہ ہو سکے یہ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سنی لی چنانچہ عوارف میں کہتے ہیں:-“
 ”الدنیا متعقبات الزہد انضحت“
 ”انہیں نہ وہ (عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا انزال نہ ہو سکے یہ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سنی لی چنانچہ عوارف میں کہتے ہیں:-“
 ”مسامح برأطہم وسمعت آذان“
 ”انہیں نہ وہ (عقل اور استدلال کے طریقے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا انزال نہ ہو سکے یہ تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سنی لی چنانچہ عوارف میں کہتے ہیں:-“
 ”قلوبہم“

○ متکلمین کی جماعت میں علامہ ملاؤ الدین علی الطوسی (المتوفی ۷۲۰ھ)
 نے سلطان محمد غازی کے حکم سے جو کتاب لکھا کہ رو میں لکھی ہے۔ اس کے مقدمہ

میں یہ بتلایا ہے کہ ہماری عقل بہت سی اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ بلکہ بڑے بڑے حکماء محسوسات کی مابینیت معلوم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو ہم کو چند ایسے امور کے تسلیم کرنے میں کوئی مدد نہ ہونا چاہیے۔ جن کی باریکیوں کو اگرچہ ہم نے خود نہیں سمجھا مگر خدا کے ایسے چہرے رسولوں نے ہم کو آجی خبر دی ہے جن کی صداقت پر سینکڑوں آیات بینات گواہی دے رہی ہیں کیا ہماری آنکھوں نے ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا ہے جن کو وہ دیکھ سکتی ہیں یا ہمارے کانوں نے ان تمام آوازوں کو سنا لیا ہے جن کو وہ سن سکتے ہیں یا ہمارے ہاتھوں نے تمام اُن چیزوں کو چھو لیا ہے جن کو وہ چھو سکتے ہیں۔ یا ہماری زبان نے تمام ان الفاظ کو ادا کر دیا ہے جن کو ہم ادا کر سکتے ہیں، پھر جب ہمارے ان حواس اور ان قوتوں نے اپنے مقتدر ادا کر پورا پورا معاملہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے عقلی قوت کو اپنی ساری معلومات پر کامل تصرف اور قبضہ حاصل ہو جائے۔ یہاں تک کہ خدا کی ذات و صفات کے مسائل بھی اس کے قابو میں آجائیں اور حقائق اشیاء میں سے کوئی حقیقت ایسی نہ رہے جو اس کی دسترس سے اچھوٹی ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پانی، آگ، جیٹی وغیرہ وہ اجسام جو ہر وقت ہم کو نظر آتے ہیں ان کی حقیقت کے دریافت کرنے میں بڑے بڑے فلاسفہ متحیر ہیں لافلاطون کہتا ہے کہ یہ بسیط اجسام ہیں اور ارسطو کی جماعت کہتی ہے کہ تنہیں یہونی اور صوفیہ سے مرکب ہیں جو۔ وغیرہ اسی کہتا ہے کہ یہ اجسام ایسے ذرات سے مرکب ہیں جو نہایت سبوت ہونے کی وجہ سے قابل تفسیر نہیں ہیں۔ پھر

اجزاء ہم کے قنایہ اور غیر قنایہ ہونے کی حیثیت سے نظام کچھ کہتا ہے اور مشکوینہ کچھ۔ اسی طرح عقل اور نفس نامہ کے بابے میں ہر ایک کا مذہب جدا لگا ہے اور ایک جو دلیل قائم کرتا ہے دوسرا اس کو رد کر دیتا ہے۔ بجلاد نفس جو ہر وقت ہمارے پاس رہتا ہے اور وہ اجسام جو شب و روز ہمارے ساتھ حال میں آتے ہیں جب ان کی حقیقت معلوم کرنے میں ان کو کیا رکاوٹ ہے تو غیب کے اسرار اور ملکوت کے واقف تک ان کی رسائی کی۔ کیونکر امید ہو سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال کی صحیح کیفیت کو وہ بھی شخص سمجھے جس کی تائید خدا کی جانب سے کی گئی ہو۔ ایسا شخص اس کی اطلاع کرے جس کے مہوش من اللہ ہونے پر ہزاروں علامات ظاہر ہو چکی ہوں ورنہ جو احمق نبوت کے انوار سے مستند ہوئے بغیر محض اپنی عقل پر چھوڑ کر کہے الہیات کی کنجہ پینچنا چاہے گا اس کے اوہام و شہنائی اس کی عقل سے سمحت مزاحمت کر پائے گے اور اس کو دہی اور عقلی چیزوں کے تمیز دینے میں ایسی دشواری پیش آئے گی۔ جس کے اندر کوئی تدبیر اس کے پاس نہ ہوگی۔ اس سلسلہ کا یہ قول نہایت انصاف پر مبنی ہے کہ الہیات کے مسائل میں دلائل سے یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

باقی جن حکمائے انبیاء کی تقلید کو چھوڑ کر ان مسائل میں انہماک پیدا کیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو فطرۃ ذہین بتایا تھا اور ان کی عقلوں میں ایک قسم کی تیزری پیدا کی تھی۔ جس کے ذریعہ سے انہوں نے ہندسہ اور حساب وغیرہ علوم میں ایسی کامل دستگاہ پیدا کر لی۔ کہ اس

انتہار سے ان کی جس قدر تعلیم کی جانی تھی وہی تھی۔ لیکن انہوں نے خدا کے اس انعام کا شکر یہ ادا نہیں کیا۔ اور وہ اس کے پوسے پر سے معراج بن گئے۔ ع۔ اسے رشتی طبع تو برہمن بلا شدی انہوں نے ایسے ہی روق میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کی کہ کونان کی فہم و فراست کی سرحد سے باطل خارج تھا۔ یہاں تک کہ وہ خوب سے اوجھ اور اوروں کو غمزداد کیا۔

اب ان کے اس حال سے ہر ایک انسان کو چاہیے کہ عبرت حاصل کر اور کسی ایسے رسول کے اقوال پر جس کی راست بازی و دیلوں سے ثابت ہو چکی ہو بے حرج و چرا اعتماد کر کے اپنے دل کو ان اضطرابات اور شکوک و اوہام سے رستہ دے دے ۱۰ اَللّٰہُ یُعِیْذُہٗ مِنْ شَیْءٍ اَللّٰہُ اَعْلٰی مُلُکِیْنِ

اب یہاں پینچر ہم کو چاہیے تھا کہ ہم قلم کی باگ امام غزالی کی تقریر کی طرٹ پھر دیتے جن کا حوالہ ہم بہت دور سے دیتے چلے آ رہے ہیں کیونکہ اس وقت ہم حکماء اور متکلمین۔ صوفیہ اور مودعین سب کے کلاموں کے انتہا سے فائدہ نہوچتے ہیں اور ہماری تحریک کے پڑنے والوں میں جو تحریک اس مسئلہ کی بابت ہم پیدا کرنا چاہتے تھے وہ بھی نہا پیدا ہو چکی ہے۔ لیکن بڑی کوتاہی ہوگی اگر ہم اس پر موقع پر شاہ ولی اللہؒ کو حبیبیہ لگانا نہ ضرور فراموش کر دیاں۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ مفسرین میں ان سے بڑھ کر کوئی اس مسئلہ عقل و نقل، کا سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اس اخیر

اور میں ان سے زیادہ کسی نے شریعت کے اسرار اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کئے وہ اپنی مشہور کتاب حجة الله الی العز میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

قد بین ان الاحکام الشرعیة
خیر متضمنة لشی من المعالیم
وانه لیس بین الاعمال والین
ما جعل الله جزاء لهما مناسبة
وان مثل التکلیف بالشرائع
مکمل سید امرار ان یتفرع طاعة
عبد و قاصد برفعة جبر و اولى
شکیر و صا لا فائدة فیہ غیر التختی
فلما اطاق او عصى جزی بجملة
ولهذا ظن فاسد تکذب بالسنة
واجتماع المقرون المشهود
لها بالخیبر

بھی یہ خیالی کر لیا جائے کہ شریعت کے احکام متعلی معارف پر مشتمل ہیں ہیں اور اعمال ہیں اور اہل جہاد مسرا میں کوئی خاص مناسبت غرض ہے اور یہ کہ انسان کو خدا کی جانب سے احکام شریعہ کا تکلف پانا ایسا ہے جیسا کہ کوئی آقا اپنے غلام کی فرائض واری کا استکان کرنا چاہتے اور اس کو کسی ہتھکے اتھالنے یا کسی درخت کے چھوٹنے یا کسی اور ایسے کام کا حکم کرے جس میں اس کی آزمائش کے سوا کوئی فائدہ نہ ہو اب اگر اس غلام نے اطاعت کی یا نہ کی تو اس کا وہابی جی ہرگز نہ ہو گی۔ شریعت کی بات یہ خیالی ہاں کہ خدا سے کیا کی تکذیب سنت رسول اللہ اور قرین اہل کے اجماع نے کی ہے۔

تجربہ ایک ورق کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں۔

فوعکما اوجبت السنة هذه
وانعقد علیه الاجماع فقد
طرح یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ خدا کی طرف سے منفی

و حجت ايضا ان نزول القضاء
بالاجاب و التحريم سبب عظیم
فی نفسه مع قطع النظر عن
تکلیف المعامل لاثابة المظہر
وعقاب المعاصی و امتناع العمل
عن ما ظن من ان حسن العمل
و قبحها بمعنى استحقاق الثواب
الشرایب و العذاب عقولیان من
کل وجه و ان الشرع و ظہیر
الاختیار من خواص الاحکام
علی ما هی علیہ دون انشاء الایجاب
و التحريم بمزلة طیب یصف
خواص الادویة و انواع المرفوض فاسد فحیة السنة باوای الی الی الی

○ یہ تمام اقوال جو یہاں تک نقل کئے گئے ان مستند علماء کے اقوال ہیں جو بلحاظ اپنے فضل و کمال کے امت محمدیہ کے آداب و اور کتاب شمار کئے گئے ہیں اور جن کی فضیلت خواہ کسی حیثیت سے ہو چار و انگ عالم میں تسلیم کی جا سکتی ہے۔

کسی چیز کے وجوب یا حرمت وغیرہ کے متعلق حکم کا نازل ہونا بھی معارف حکمیت سے قطع نظر کر کے بغیر کو ثواب اور لعنت کیوں کو ثواب دینے کا بڑا سبب ہے اور ایسا نہیں دیکھا کہ جنوں کا گناہ ہے کہ اعمال کا حسن و قبح یعنی ان کے کرنے یا نہ کرنے پر ثواب و ثواب کا استحقاق معنی عقل سے ثابت ہو سکتا ہو۔ باقی شریعت کا کام اس غیب کی طرف جو رواؤں کے خواص اور مرید کے آسمان کو بیان کرنا ہے صرف یہ ہو کہ وہ اعمال کی واقعی معیتوں کو نہ ہر رکھے د یہ کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو واجب یا حرام بنائے اس قسم کے خیالات ہاں کہ ناسد ہیں۔ جن سے کلمے طور پر سنت رسول اللہ نزلت کرتی ہے۔

لیکن ان متفرق اقوال اور پر آگندہ مضامین سے ایک کم علم آدمی بچائے

اس کے کہ کچھ فائدہ اٹھائے سخت پریشانی میں پڑ جاتا ہے اور وہ متعین نہیں کر سکتا کہ میں ان میں سے کس بات کو لوں اور کس کو چھوڑوں، اسی تذبذب کے وقت میں امام غزالی آتے ہیں اور احیاء العلوم وغیرہ کے ذریعے سے اس کی دستگیری کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں یہ سب باتیں درست ہیں یہ بھی سچ ہے کہ کسی مذہب حق کے تمام احکام عقل کے مطابق ہیں اور یہ بھی ایک اعتبار سے صحیح ہے کہ نبوت اور ولایت کا مرتبہ عقل سے بالاتر ہے۔ یہ بھی غلط نہیں کہ ہر ایک علم عقل ہی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اس کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں کہ بعض علوم عقل کے سوار اور کسی طریقے سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کو بھی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت کے تمام احکام عقل مصالح پر مبنی ہیں اور یہ کہنا بھی جہاں تک کہ معنی عقلی مصالح کسی چیز کے فرض کرنے یا حرام کرنے کے لئے کافی نہیں۔

ممکن ہے کہ قہداری کمزور طبیعت ان متضاد بیانات کو دیکھ کر گھبرا اٹھے اور تم ان پیدوار مقدمات کو کوئی منطقی حلسم سمجھنے لگو۔ مگر جو جامع مانع تقریر ہم مختصر یہ درج کریں گے اس کو پڑھ کر قہداری تسلی ہو جائے گی۔ اور تم یقین کر لو گے کہ ان اقوال میں لغتی نزاع کے سوا کوئی حقیقی اختلاف سمجھنا ہمارے فہم کی تقصیر ہے۔

○ تم سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ انسان کو قدرت نے دوسرے حیوانات سے کون سی امتیازی حالت عطا کی ہے کیا قدرت۔ ارادہ۔ خوف۔ رعب۔ شہوہ۔ غلبہ یہ صفات جو انسان میں رکھی ہوئی ہیں اور حیوانات میں نہیں

ہیں یا یا آگھ۔ ناک۔ کات۔ زبان۔ دست و پا جو اعضاء انسان کو عنایت کئے گئے ہیں اور ان کو نہیں دئے گئے یا جس مشترک خیال، وہم، غلط، وغیرہ غلبہ باطنہ جو انسان میں دوہیت کئے گئے ہیں۔ دوسرے کے حصہ میں نہیں آئے قائم یقیناً کہو گے کہ ان سب چیزوں کے اعتبار سے انسان کو کوئی فضیلت اور جافروں پر حاصل نہیں ہے۔ بلکہ با اوقات بعض جافروں بعض فوجوں میں انسان سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو پھر وہ کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے انسان کی شرافت جافروں کے مقابلہ میں تسلیم کر لی گئی۔ اور وہ کیا علامات ہیں جو انسان کے روشن چہرے کے امتیازی خط وخال ہیں۔

اس کے جواب میں ہم بجز ان دو چیزوں کے کسی کا نام نہیں لے سکتے جن کا اختصار علم اور ارادہ کے دو چھوٹے چھوٹے لفظ کہتے ہیں، اور جن کی تشریح میں ہم کو اپنے ناظرین کے وقت کا ایک مستند ہر حصہ لینا پڑے گا۔ علم سے ہماری مراد وہ علم ہے کہ جس کی بدولت دنیا اور آخرت کے حالات مشکف ہوتے ہیں اور وہ کائنات کے حقائق کو ان کی اصلی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو۔ اور ارادہ کے لفظ سے ہم نے اس ارادہ کا قصد کیا ہے جو نفسانی خواہش کے اشارہ پر نہیں بلکہ علم کے اشارہ پر چلتے والا ہے۔ کیونکہ جو ارادہ قوت شہوانی کی تحریک سے پیدا ہوتا ہے وہ قوتام حیوانات میں موجود ہے۔ ہر جاندار مبعوک اور بیلا کے وقت میں اپنی کی غلبہ میں دوڑتا ہے۔ شہوہ کے غلبہ کے وقت اس کے فو کرنے کا ارادہ کرتا ہے اپنے دشمن کے مقابلہ میں پروری طاقت اور زور آزمائی و کلا

ہے۔ تو کیا ان سب باتوں میں ارادہ نہیں پایا گیا۔ لیکن ہاں وہ ارادہ نہیں جو افراد انسانی کی خصوصیات میں سے ہے انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شہوانی میلان کے خلاف بھی اگر اس کی عقل ہدایت کرے حرکت کر سکتا ہو، اور اپنے فعل و ترک میں جی چاہئے نہ چاہئے کا پابند نہ ہو۔

یہ ارادہ ارادہ علم جس کا ذکر پہلے ہوا۔ بزرگ ترین مخلوقات یعنی انسان کے ساتھ مختص ہیں۔ اور ان ہی دو نشانیوں سے انسان حیوانات سے اور پٹا آدمی جانوروں سے ہاتھ بڑھانے کمال کے پہچانا جاتا ہے۔ پھر جب اپنی پیدائش کے طے طے کرتا ہوا رحم مادر سے باہر آتا ہے تو وہ نہ پہلے بڑے، نیک و ہدایت نفع مضر کی تمیز کھتا ہے اور نہ اس کا کوئی ارادہ کسی قانون عقلی کا تابع ہوتا ہے۔ اور جوں جوں اس کے قریبی میں نشوونما۔ اس کے علم میں ترقی

اس کی معلومات میں وسعت ہوتی جاتی ہے اس قدر اس کے افعال اہل فہم و دانش کے قاعدوں میں مضبوط ہوتے جاتے ہیں۔ اب اگر اس کا علم سپاہ ہے اور اس کی عقل نے جو فتوے نافذ کئے ہیں وہ صحیح ہیں تو اس کے سب عمل درست ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس کی عقل نے لغزش کھائی یا نفع کو مضر مضر کو نافع یا نیک کو بد، بد کو نیک سمجھ لیا تو ہرگز توقع نہیں کہ وہ اپنی حرکات و سکنات میں یکسوئی و غلطی سے محفوظ رہے اس صورت میں ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ صحیح علم کے حامل ہونے کے ذرائع سوچے اور تازہ بہتہ اپنے اندر ان کے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

لیکن جس حد تک غور کیا گیا علم کی حقیقت اس سے زیادہ معلوم نہیں

ہوئی کہ کسی چیز کا نقشہ ایسی طرح ہماری عقل میں کھینچ جائے کہ آئینے میں کسی شے کی تصویر نظر آنے لگتی ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص ہماری نظرت گذرے یا ایک شاندار مکان ہم نے کسی جگہ دیکھا اور کچھ دیر کے بعد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ تو پھر ہم جب کبھی اس شخص یا اس مکان کو دیکھتے ہیں۔ فرزا شناخت کر لیتے ہیں کہ یہ وہی شخص اور وہی مکان ہے۔ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا نقشہ ہو اس مکان یا اس شخص پر پورا پورا منتقل ہو موجود نہ ہوتا تو وہ اور کون سا معیار تھا جس کے ذریعے سے اتنی مدت کے بعد ہم کو یہ شناخت ہو گئی۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کا ذہن و عقل عقلی مثل ایک آئینہ کے ہے اور اس میں جو معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اس عکس کی مانند ہیں جو کسی شے کے محافضات کے وقت آئینہ میں کھینچی

دیتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ آئینہ میں صرف ان اشیاء کا عکس پڑتا ہے۔ جو آنکھوں سے نظر آنے کے قابل ہوں اور ذہن میں ہر شے کی چیزیں منتقل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً کسی اسپیکر کی ایک لمبی چوڑی تقریر تم نے سنی اور اس کے مضامین کا خلاصہ تم نے اپنے ذہن میں محفوظ رکھا تو اب جب کبھی کوئی شخص وہ تقریر کہے گا۔ تم فوراً سمجھ جاؤ گے کہ یہ بعینہ وہ مضامین ہیں جو فلاں اسپیکر نے بیان کئے تھے۔ اگر ان مضامین کا کوئی نوٹ تمہارے پاس نہیں تھا تو تم نے یہ کیسے جانا کہ وہ اور یہ تقریر ایک ہی ہیں۔ اس سے یہی طور پر معلوم ہوا کہ ہمارے ذہن میں ان مضامین کا کوئی خاکہ موجود تھا۔ حالانکہ ان ہی مضامین کا عکس اگر ہم آئینہ میں دیکھنا چاہیں تو بالکل

ناممکن ہے۔

غرض آئینہ میں اور ذہن میں اتنا تفاوت ہے کہ ایک میں مخصوص چیزوں کا عکس آتا ہے اور دوسرے میں ہر چیز کا گردونوں میں اس قدر اشتراک ہے کہ اس میں بھی کسی چیز کی تصویر حاصل ہوتی ہے اور اس میں بھی اب اگر کوئی چیز آئینہ میں منعکس ہونے کے قابل ہو لیکن منعکس نہ ہو تو یہاں تک قبیح اور استقرار سے معلوم ہوا اس کے پانچ وجوہات ہو سکتے ہیں۔ یا یہ کہ وہ جو تہر (مو) جس سے آئینہ بنتا ہے اس نے ابھی تک معطل ہو کر آئینہ کی صورت اختیار نہیں کی یا آئینہ بن چکا۔ مگر رنگ آلود ہو گیا۔ یا ساق شفاقت ہے مگر جس چیز کا عکس اس میں لینا چاہتے ہو وہ اس کے مقابل نہیں۔ یا مقابل بھی ہے مگر آئینہ کے اور اس شے کے رنگ میں کوئی دوسری شے حاکی ہے یا عکس لینے والے کو یہ معلوم نہیں کہ اس صورت کا عکس کس جہت میں ہو کر لیا جا سکتا ہے۔ ان سب حالتوں میں اشیا مطلوبہ کا عکس آئینہ میں نہیں آ سکتا۔ اور اگر ان مواقع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو تو پھر محال ہے کہ عکس کی صورت اس میں ظاہر نہ ہو۔

ٹھیک اسی طرح انسان کے قلب (مقل) کی حالت ہے کبھی تو ایسا ہوگا کہ خود قلب بھی ناقص ہے اور انعکاس کی پوری قابلیت اس میں پیدا نہیں ہوئی۔ چنانچہ کثیر غوار بچہ کا قلب کہ وہ معقولات کے علم سے بالکل غالی ہوتا ہے۔ اور کبھی معاصی اور ناپاک افعال کے ارتکاب سے قلب پر ایک قسم کی کدورت اور ظلمت چھا جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی پوری حیلہ اور

مستانی باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اس میں لطیف اور باریک چیزوں کا انعکاس سبب ہوتا۔ اور غلط کی ذات وصفات اور عیب کے اسرار سے یہ قلب بالکل مری رہتا ہے۔

اس قلب کے رنگ چھوڑنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ جہت نزدیکی اطاعت کی طرف توجہ اور متغذائے شہوات سے پورا پورا اعراض کرے وہ مجاہدات کا وہ طریقہ اختیار کرے جو اس فن کے تجربہ کاروں نے نامائز خرابیاں کے استیصال کے واسطے تلقین کیا ہے۔ واللہ بینناہد واخینا لنہدیہم سبیلنا۔ اور من عمل بمعادہ ورثۃ اللہ علیہ ما لہ یصلحہم میں اسی راہ کی طرف اشارہ ہے۔

لیکن کبھی آدمی کا قلب گناہوں کی آلاشوں سے پاک صاف ہو جائے اور پھر بھی اس میں علوم ذات وصفات اور حقائق اشیا مرقم نہیں ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی توجہ ان چیزوں کی طرف کامل نہیں ہوتی جکہ وہ آفات نفس کے ہاننے یا طرق معاش کے مہیا کرنے میں مشغول ہوتا ہو کہ توجہ چیز پر نہیں جہاں اس کے قلب کو توجہ نہیں ہے۔ اسی طرح منعکس نہیں ہو سکتیں جس طرح آئینہ میں وہ صورتیں جو اس کے مقابل نہ ہوں۔ ہاں قلب کبھی۔ ناف بھی ہوتا ہے اور توجہ بھی کامل ہے مگر وہ عاصد عقائد جو تقلید یا حسن ظن کی بنا پر دل میں پیچھے سے راسخ ہیں حقائق کے انعکاس کے لئے حجاب بن جاتے ہیں اور عیب کا اور شے مطلوب کے درمیان میں اگر کوئی شے حاکی ہو جائے تو اس کا عکس اس میں نہیں پڑتا

ایسے ہی مجاہد کے وقت ہماری عقل حقیقی علوم کے حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہے اور کہیں علم کے یہ تمام سامان جمع ہوتے ہیں مگر جن حاصل شدہ علوم پر یہ علم متفرق ہوتا ہے ان میں مناسب ترتیب قائم کرنی ہم کو نہیں آتی اس لئے ہم علم سے محروم رہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنی گدی کے پیچھے کا مال آئینہ میں دیکھنا چاہے۔ اب اگر وہ آئینہ کو آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے تو پیچھے کا مال اس میں کھل نہیں سکتا اور اگر پیچھے لیجاتا ہے تو گوانکھ اس جو ہا تا ہے مگر آنکھیں اس عکس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ اُس وقت یہ شخص باوجود تمام اسباب مہیا ہونے کے عکس کے دیکھنے سے اس لئے محروم ہے کہ اس کو اس عکس کے لینے کا طریقہ معلوم نہیں۔ اگر کوئی اس کو یہ بتا دے کہ ایک آئینہ پیچھے لیجاؤ اور ایک آئینہ اس آئینہ کے عکس میں اس طرح سلستے رکھو کہ عکس اس آئینہ میں پڑے اسی عکس کا پرتو دوسرے آئینہ میں بھی آجائے تو اس طریقہ کے معلوم ہونے سے اس کی ساری مشکل حل ہو جائے گی۔ اور جو وقتیں اس عکس کے لینے میں وہ اٹھارہ یا تھارہ ایک گھنٹہ جاتی رہیں گی۔

یہی حال بعینہ انسان کے قلب کا سمجھو اور یقین کر لو کہ یہی امور ہیں جو اکثر حقائق کی معرفت سے ہم کو بے بہرہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ موانع نہ ہوں تو بیشک ہر قلب اس فیضِ علم کے حاصل کر لینے کی پوری قابلیت رکھتا ہے جو فیاضِ ازل کی طرف سے بغیر کسی ٹکڑے کے ہر وقت اور ہر آن جاری ہے۔
○ تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سچے مذہب کے احکام عقل کے مطابق ہوتے

ہیں ان کا یہ قول اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ ایک کامل اور صاف و شفاف عقل جس میں حقائق کے انعکاس کی سبب شرائط موجود ہوں۔ ہرگز خدا کے حکم کے خلاف حکم نافذ نہیں کر سکتی اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ احکام خداوندی کو اپنی عقل کی میزان میں نہ تو لو۔ ان کی غرض یہ ہے کہ ہماری زبان اور حلقوں میں خدائی اسرار کا انعکاس نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جس فریق کا یہ خیال ہے کہ حقائق نبوت اور حقائق صفات الہیہ ہماری فہم و ادراک سے بالاتر ہیں وہ عام فہم اور ادراک کے لحاظ سے بالکل سچ کہتے ہیں اور جس شخص کا یہ قول ہے کہ ہمیں یہ چیزیں بھی بذریعہ عقل انسانی کے دریافت ہو سکتی ہیں تو اس کا مدعی بھی غلط نہیں ہے۔ وہ بالکل طور پر عقل انسانی اسی کو قرار دیتا ہے جس میں انسانی کو ذہن اور آفاقی ذہن دونوں۔

عوض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ لوگ درہات عقل کے موانع جنت میں نہیں گئے اس پر معمول ہے کہ خلیفہ عظمیٰ کو جس قدر ترقی ہوئی جنت کے دروازوں سے قریب ہوتا جائے گا۔ اور یہ مقدر کہ اکثر اہل جنت بے عقل ہوں گے اس میں وہ لوگ مردہ ہیں جو دنیا کی کاموں میں متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے ابھریے جاتے ہیں اور علیکم بدین العباد کا خطاب بھی انہیں۔ سہ ہے جن کے ذہن اسرار کے متعلق نہیں ہو سکتے۔

آپ تم پھر ایک دفعہ ان متعارض اقوال کو یاد کرو جن کے سچے ماننے میں تم سخت پریشان تھے اور جن کی کرنی درست تو جبہ تم سے بہن نہ پڑتی تھی۔
اور اخیر میں امام صاحب کی اس زہین نصیحت کو خوب یاد رکھو۔

ان اقسام العقاب منافیة للعلوم الشرعية وان الجمع بينهما خیر

علی بن صالح بن حمی بن عیسیٰ البصری

نحوہ بالہ صنفہ (نصاکی ۱۵۰)

یہاں تک کہ ہم نے امام غزالی کی تقریر کا حاصل نقل کروا دیا امام صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت سادہ نہایت ایسی۔ نہایت عام فہم اور نہایت پراسرار ہے۔ لیکن میں چند ایسی باتیں مرقعہ بھی ہیں جن کا انکا ذکر درج اہماد سے کیا گیا ہے تاکہ حریف سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہے۔

ہم امام صاحب کے اس قابل قدر بیان کی بہت کچھ عزت کر سکتے ہیں لیکن ہمارا ایک ظاہر پرست اور آزاد منش مقابل اس پرکتہ ہوئی کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ہم خود میں میں صورتوں کا انکا اس تسلیم کر لیں تو جو شرط آئینہ میں انکا اس کیواسطے ضروری تھی اب ان سب کا وہ میں میں پایا جائیگا کیوں منقوسی ہے۔ یہ ہم نے مانا کہ وہاں میں در آئینہ میں ایک حرکت مشابہت پائی جاوے گی۔ مگر وہ دونوں میں تفاوت بھی ہے۔ آئینہ جس کا اجزاء کم تھے پچھلے پرکتے ہوئے۔ اب اس اختلاف کی بنا پر بعض وہ شرطیں جو آئینہ میں ضروری تھیں انھوں میں ضروری نہ ہوں۔ یا اس کے برعکس تو ایسا نہ ہو کہ۔

انکے سواں ہم بخاری سمجھ نہیں آئے اور اعمال ہو کہ یا بشرت یا گناہوں کے اور انکا بہت غلبہ ہو چکی قسم آری کی جاتا ہے۔ اور تو ہم ان اعمال کی تقسیم کیا ہے۔ جسکی ان تقسیم ہی نہیں کر سکتے۔ وہ سروسے میں ملوث ہونا بیشک۔ قوت علیہ کے۔ یہاں تک کہ ہم نے انکے قوت علیہ کا اس اثر سے متاثر

دھوکہ کرنا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نقل نقل سے بے نیاز ہے۔ یہ انکے نقل کو موزوں کر کے ہمیں تھا کیونکہ یہاں سے وہاں آیا ہے۔ اس طرح وہ ہمیں بھی دھوکہ دے رہا ہے۔ جو قرآن و سنت کے انوار سے علیحدہ ہو کر نہایت حق پرور ہو کر سرگسٹ ہو کر کہہ رہا ہے کہ وہ دونوں گمراہ ہیں کسی میں کسی واقعہ میں جو پانچے ہر مقلد نقل کو پاؤں نہ پا پانچے کیونکہ علوم و حکامی عقل کی تھوڑا نرم شرعی اسکی دوامیں اور جو حق دورا کا استہواں دکر سے کہہ کر خدا کے امتیاز سے تقدیر پہنچ جائے۔ یہی واقعہ اس کے امراض کی کہ اسکا علاج شرعی دواؤں سے یعنی ان اعمال اور اعمال سے ہی ہو سکتا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام نے اس کام کیلئے ترکیب دیا ہے۔ پس جبکہ ان بیماریاں جو اسکی طلب شرعی کے بموجب اسکا معالجہ ہی نہ کر سارہ دھوکہ دے کر اپنے حق کی کافی سمجھے کہ وہی طرح ہر ایک جو گناہ میں مبتلا ہو خدا سے جو کہ جو جاتا ہے۔ اپنی جگہ سے علوم عقیدہ کو علوم شرعیہ کے ثمرات تصور کرتے ہیں اور عقول میں تعلق کر ماضی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال اس وجہ سے ہے کہ انکی بصیرت کی تھیں اندھی ہیں۔

فقد بان تل من الجماع ولا غنا بالجماع من الغنى فان ادى الى ضعف فقير جمع حول العقل بالكلية جاهل وانما في مجرد العقل عن انوار القرآن والسنة مفروغا فانيات ان تكون من الغريقين كجماعين الاصلين فان العلوم الحقيقية كالاعتقادية والعلوم الشرعية كالادوية والضعف المرضي يستغفر بالخفاء متى فاندلج اندماج امراض القلوب لا يمكن علاجها الا بالادوية المستفادة من الشريعة وهي وظائف العباد والاحمال التي ركبها الانبياء صلوات الله عليهم اجمعين لاسم القلوب لمن لا يداوى قلبه طريقا معالجا العادة الشرعية والتفتي بالعلوم العقلية استغفر بها كما يستغفر المرضي بالعدا وظن من يظن

ہونا بظاہر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ نیز بقول قاضی ابن رشد انہی کے فکر، پاک نے
جیسا ہا قیاس اور نظر کے طریقہ پر مشتبہ کیا ہے اور خود بھی مختلف مواقع میں استدلال
سے کام لیا ہے۔ پس اگر شریعت کے احکام عقلی عامر سے بالاتر تھے تو قرآن نے
ہم سب کو کس سے کام لینے اور خود فکر کرنے کی طرت کیوں توجہ دلائی اور قبول اسرار
کے ہر ایک انسان کو ایسے احکام کا سکات بنانا کیونکر ہوا جو اس کی سمجھ سے
باجزے۔ حالانکہ انسان اپنے ذی عقل ہونے کی وجہ سے ہی تکلیف شرعی کا مستحق
ہوا ہے۔

یہ اور اس قسم کے اور شبہات ہیں جن کو سن کر ہم مرثہ انتہا ہی کہتا پاتے،
ہیں کہ شعر

چو بشوی سخن اہل لگو کو فضا
معنی شناسی دینی دل افشا

اللہ پیاس خاطر معترض امام صاحب کے جاوہ استدلال سے ہٹ کر
یہ آگے بڑھ کر اس زبردست فاضل کی تقریر کی عزت رجوع کرتے ہیں جس
کی تصنیفات میں جتنا خود گردا مہاجی اس کی دینی دانشمندی اور صادق الہیانی
کا اعتراف لازم ہے۔ یہ وہ فاضل ہے کہ جسکو اگر ہم اپنے جید کاتب اکبر امام غزالی
اور شاہ ولی اللہ سب کچھ دیں تو یہ نہیں۔ اور یہی وہ فاضل ہے جس نے
علم کلام کی ایک ایسے انوکھے طرز میں بنا ڈالی جو دانشا دانش، قیامت تک
کے واسطے پتھر کی ٹیکر ہے اور جس پر ہمارا ناز کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

اس فاضل نے جس کو عام طور پر مولانا محمد رفیع صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اپنی محنت کتابوں میں جو مفید بیانات اور

کئے ہیں وہ اس مسئلہ عقل و نقل میں ہماری بیست نرا دوشکل کشائی کرتے ہیں اور
اب ہم ذیل میں کچھ لکھیں گے وہ تمام تراشی تصانیف سے ماخوذ ہوگا۔ شعر
مطرب ترانہ و گزاردہ ساز کی
زیرا کہ حرف عشق نیر لدا انتہا

○ متعینہ عالم کا وسیع مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی درشن ہو چکی ہے کہ
دعوت طبعیہ کے فطرت نے اور بنیال اہل مذاہب کے انوائے عقائد نے دنیا
کی کوئی چیز بیکار نہیں بنائی اور جو جوں تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے
وہیں وہیں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز کے متناقضات ہم پر ظاہر ہونے جاتے ہیں اس لانا
سے کائنات کا ہر جزو بیش قیمت حکمتوں کا مجموعہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر شے
کا اتصال کسی دوسری ایسی ایک یا چندا اعتراض سے بھی ہوتا ہے جسکی کمی زیادتی پر اس
شے کا کام اور نقصان مندرجہ ہے اور جس کو ہم اس شے کے اصلی اعتراض کہہ سکتے ہیں
مثلاً حیوانیت میں گھوڑے کی موت دہم اور اس کا سن رجحان نام پر موقوف ہے
اگرچہ وہ گدھے کی طرح پالان بھی اٹھا سکتا ہے اور گائے گبری کی طرح اس کو
دوغ کر کے کھا بھی سکتے ہیں۔ اور اس کا دور وہ بھی پل سکتے ہیں۔ لیکن اس کے دور
کی انفرادی جن کی فرہی یا بارہ ہوا کی طاقت اس کی قدر و قیمت میں اسی طرح
کچھ زیادہ و خیل میں جس طرح گائے اور مینیس میں چونکہ مقصود و دہم کی چیز
ہے اس لئے ان کی تیز رفتاری اور قدم بازی کا کوئی اثر ان کی جہلیاں برائی پر نہیں پڑتا
یا گلاب کے پھول کی حسن و خوبی اس کے رنگ و خوشبو سے ہے۔ فائز سے کچھ
بھی غرض نہیں ہوتی۔ یا آدم کے فائز سے سرکار ہے اس کے رنگ و خوشبو
سے چنواں ترش نہیں کیا جاتا۔ ایسے ہی کتاب سے اگرچہ ہم کسی وقت تکیر کا

کا کام لے سکتے ہیں۔ لیکن غرض اصلی اس سے بڑھتا ہی ہوتا ہے۔ یہ ضرورت کے وقت کپڑوں کو جلا کر لٹا سکتے ہیں۔ مگر ہم متعددان سے یہی ہے کہ وہ آدمی کے بدن کی پردہ پوشی اور نہایت کا سبب بنیں۔

غرض نام کے تمام اجزاء پر نظر ڈال جائے۔ ہر موقع پر یہی شان نظر آئے گی۔ ہر زمانہ میں۔ ہر کام میں۔ ہر جگہ اپنے اثرات اور طاقت ہونے کا دعویٰ کیا کرتا ہے کسی ایسی عرض افغانی اور مطلب غلط سے وہ جس کے ہونے نہ ہونے پر اس کی بھلائی برائی کو نہ جواہر جس کے ذریعہ سے وہ وح و دست ایشان یا جو رخصت کا ستارہ سمجھا جائے۔

یہ شک اس مقصد غلط کے متعین کرنے میں ہم کو سخت دشواری پیش آئے گی لیکن ہم اس قدر کو خود اضعاف انسان کی بناوٹ اور اس کے قوی کی ترکیب سے عمل کریں گے اور ہم متعین کرتے ہیں کہ خود انسان زبان حال سے اس مقصد کی جستجو میں ہماری رہنمائی کرے گا۔

تجربہ اس معجز مرکب (انسان) کی اندرونی و بیرونی حالتوں میں غور کرتے ہیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا پانچ چیزوں سے اس کی ترکیب مل ہی آتی ہے۔ عقل، یعنی قوت علیہ۔ شوق یا غور، ارادہ اور اختیار، قدرت اور طاقت۔ باقیہ باؤں آکھٹاک وغیرہ اضمائے جسمانی چنانچہ جس قدر کام انسان کرتا ہے ان میں یہ پانچوں آکھٹ اپنا اہم لگ کر رہتے ہیں۔

غرض کہ وہ ایک شخص شب کے وقت ایک جگہ میں چلا جا رہا ہے اس نے دور سے اپنے راستہ پر کسی جانور کو دیکھا۔ جس کی نسبت کبھی تو اس کا خیال ہوتا ہے کہ

یہ شیر ہے اور کبھی سمجھتا ہے کہ کوئی بلی کھڑا ہے۔ اب غلطی انسان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نفع اور نقص کے پہلوؤں کو سوچے۔ اگر اس پر ضرر کا پہلو متعین ہو گیا یعنی یہ کہ بھانڈا کھانے والا شیر ہے تو قطعاً اس پر ایک قسم کے خوف یا تناب کی کیفیت طاری ہوگی اور اس کی قدرت اور طاقت، تحریک میں آئے گی۔ اور اگر اضعاف جسمانی قابو میں ہونے تو اسے پاؤں وہاں سے بھاگ شروع کر دے گا۔ اور اگر یہ شخص اس جانور کو شیر نہ سمجھتا یا شیر سمجھ کر ایذا پہنچانے والی چیز نہ تصور کرتا تو برابر اپنے شوق میں اور ضرر جھٹ پلا ہوتا۔

اس سے یہ امر بھی طور پر ثابت ہوا کہ شوق اور غور، ارادہ اور اختیار طاقت اور قدرت کا تعداد پاؤں وغیرہ دین کے مجموعہ کو محض قوت علیہ سے تعبیر کرتے ہیں، سب کے سب عقل یعنی قوت علیہ کے محکوم اور برفروان ہیں۔ اور جب عقل مفرد قوت علیہ کا کام، قوت و مشر کی شناخت یا نیک و بد کی تمیز اور قوت علیہ کا کام حسب اشارہ عقل کس عمل کا جو وجود ملانا ضرر اور فائدہ کی حکومت اور دوسرے کی حکومت کے لحاظ سے ان دونوں کے مجموعہ یعنی انسان کا کل کام یہ ہوا کہ دوسرے کو مفید یا ضار میں پڑے اور ضرر کاوں سے بچے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں اعمال کی تعبیر نیک و بد یا نافع و مضر کی طرف ہو سکتی ہو۔ کیونکہ اگر عقل دنیا سے بے خبر نہ ہو تو عقلی باطل یا نفع یا مضر کے قوت علیہ کے کاموں کے لیے کوئی میدان یا تہ نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ ہم ابھی بتلا چکے ہیں کہ قوت علیہ صرف یہی کام کر سکتی ہے کہ مفید اور بہتر کاموں کا ناقص اور مضر کاموں سے انتخاب کرتی رہے اور قوت علیہ کی اس کارگزاری کے لئے دو قسم کے اعمال کا اس کے سامنے پیش ہونا

منور ہے۔

آپ چونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ اعمال کی وہمیں کے بغیر انسان کی عظمت ہی بیکار رہتی ہے تو اس کا بھی سراغ نکل آیا کہ تمام عالم ہمیشہ سے اس پر منتظر کیوں ہے کہ اعمال و طرح کے جوئے ہیں۔ نیک اور بد یا دوسرے الفاظ میں نافع اور مضر یہاں تک کہ جو عکسِ مذہب کے قائل نہیں وہ بھی افعال و اعمال کی اس بدیہی تفریق کو تسلیم کرتے ہیں۔

اب چونکہ گفتگو باقی ہے وہ صرف اس میں ہے کہ اعمال میں نیک و بد اور نافع و مضر کی تعیین کس طور پر کی جائے یعنی کس طرح معلوم ہو کہ یہ فعل اچھا ہے یا برا۔ اس سے راحت پہنچے گی۔ اس سے تکلیف، لیکن خوش قسمتی سے جو تقریر پر قوم ہوئی اس سے اس سوال کا جواب بھی کافی حد تک نکل آیا۔ کیونکہ جب عقل یا قوۃ علیہ اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ وہ جیسے اور برے یا مفید اور ضرر و اعمال میں امتیاز قائم کیا کرے تو یقیناً قدرت نے اس میں اس امتیاز صحیح کا حکم و ہدایت کیا ہوگا۔ اس وجہ سے یہ رائے مضبوط معلوم ہوتی ہے کہ عقل سلیم جس کام کا حکم کرے وہ نافع ہو اور جس سے وہ انکار یا گریز کرے اس میں کوئی مشرت ہو۔

یہاں سے اس کی بھی قوی امید ہوتی ہے کہ اگر خدا کی جانب سے بندوں کی ہدایت کے لئے کچھ احکام نازل ہوں درج کے مجموعہ کو مذہب کہتے ہیں، تو وہ بھی موثر عقل کے موافق ہوں ورنہ خدا سے حرکت کی دانائی اور ستانت پر یہ الزام عائد ہوگا کہ اس نے عقل کو بھی ہمارے قوی پر حکومت عطا کی تاکہ وہ سب اس کے اشاروں پر کام کریں اور رسول کو بھی حاکم بنا کر بھیجا تاکہ اس کی اطاعت

کی جائے۔ اور ساتھ ہی دونوں کو متغافل بلکہ متناقض احکام بھی دیتے؟ ہم میں سے ایک کو قبول کرتے ہیں تو لازمی طور پر دوسرے سے سرتابی کرنی پڑتی ہے جو عرض اب نہایت باتوں کی طرف سے یہ طے ہو گیا کہ سچا مذہب وہی ہے جو عقل سلیم کے مطابق ہو۔ اور بقول قاضی ابن رشد کے ہر اس شخص کو جس کے پاس عقل سلیم موجود ہے اپنے عقل سے کام لینا اور نظر و فکر کے صحیح طریقوں میں جوڑ کر لے جانیے۔

آدریشک تمام قرآن اور تمام امدادیت کا یہی منشا ہے کہ وہ عقل کے دستور العمل کے موافق تعلیم دیں۔ اور ہر انسان کی عقل جب تک کہ وہ گرد پیش کے خیالات سے متاثر نہ ہو اور جب تک کہ عقلی صحت کا نازل کر دینے والا کوئی مرض اس کو لاحق نہ ہو ان ہی سچے اعمال کی ہدایت کرے گی جن کے رواج دینے کے واسطے خدا کے صادق القول پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔

لیکن ان تمام مراحل کے بعد بھی ہم کو جس مرحلہ کا طے کرنا ہونا باقی ہے وہ یہ ہے کہ عقل کے ساتھ سلیم کی تہذیب بڑھانے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض عقلمیں غیر سلیم بھی ہوتی ہیں اور جب سلیم کے معنی خداست کے قرارداد دینے گئے ہیں تو غیر سلیم اس عقل کو کہیں گے جو مرئیں اور مرید ہو۔

تو یہ سچا ہم تک نہیں سمجھ سکے کہ تہذیب و سلیم عقل کو فسی ہے اور بیمار کو فسی آیا عقل کو بھی کوئی مرض لگ سکتا ہے اور اگر بالفرض لگ سکتا ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟ اس کے واسطے طبیب کون ہے؟ اور اس کے مرض کی علامات کیا ہیں؟

صرف یہی استفادات ہیں جو باقی رہ گئے۔ اور ان ہی کے مل ہو جانے پر اس بحث کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کو ان سوالات کا جواب سننے سے پہلے چند مختصر امور کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

(۱) اول یہ کہ جو کام ایسے آلات کے ذریعہ سے کیا جائے جن میں احساس اور ادراک نہ ہو تو اس کام کا نفع نقصان ان آلات کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ بلکہ اس شخص سے تعلق رکھتا ہے جو ان آلات سے یہ کام لینے والا ہے مثلاً بڑھئی کے کام میں ببول آتا ہے اگر کسی کی وصار چیز مانے یا لکھنے میں کاتب کے قلم کی نوک ٹوٹ جائے تو یہ سب بڑھئی اور کاتب کا نقصان سمجھا جائے گا ببول اور قلم کے حق میں نہ کوئی نفع منسوب ہے نہ نقصان۔ کیونکہ نفع نقصان کا جذبہ درحقیقت راحت اور تکلیف سے وابستہ ہے اور راحت و تکلیف کو دوسری اشیاء محسوس کر سکتے ہیں جن میں ادراک اور شعور ہو۔ بہر حال جب آلات کا نفع و ضرر اصل حامل کا نفع و ضرر بمطابق قوتی علیہ کے کاموں میں جو کچھ نفع یا نقصان ہوگا وہ فی الواقع عقل اور درجہ کا ہوگا کیونکہ ادراک و شعور عقل و درجہ ہی کا خاتمہ ہے اور سب قوتیں اس کے آگے بنجر آلات کے ہیں جیسا کہ ہم ابھی بتی کر چکے ہیں۔

(۲) دوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ قوت علیہ اور قوت علیہ کے باہر قدرت نے کچھ ایسا مستحکم رابطہ پیدا کیا ہے کہ ان میں ہر ایک کے آثار دوسرے تک مستعدی ہوتے ہیں۔ قوت علیہ کے جزا آثار قوت علیہ میں ظاہر ہوتے ہیں کچھ تو وہی ہیں جن کا تعلق صنت حکومت سے ہے یعنی تمام قوتی علیہ کا بستھانہ حکومت

عقل کے ایک اشارہ پر حرکت میں آجاتا اور صفت آثار یہ ہیں جن میں عقل کی اس حکومت کو کچھ بھی دخل نہیں۔ جیسے غصہ کے وقت چہرہ کا نقصان اور آنکھوں کا سرخ ہونا۔ یا غصہ کے وقت جسم کا کانپنا اور ناک کاڑھانا۔ ان حالتوں میں جب کسی اشتعال انگیز یا ہمیت ناک چیز کا ادراک عقل کو ہوا تو فوراً غلازادہ اور بلا اختیار غصہ یا غصہ کے آثار جسم پر ظاہر ہو گئے۔ اور اسی ایک حکومت کی حیثیت میں قہر اور اختیار یا باطنی اخروی تعامل یا فانی قوت علیہ کی طرف سے بھی جزائر عقل و درجہ تک پہنچتا ہے و درجہ کا ہوتا ہے، ایک تو وہی بظاہر محکومیت اور آکر بننے کے قوت علیہ کے تمام نتائج اور مضار کا عقل کے واسطے ثابت ہوتا دوسرے بعض کیفیات بدنی سے عقل و درجہ کا بے اختیار کا نفع یا راحت اٹھاتا جتنا چھ میل پہلے اور بول و براز سے جو کچھ نفیس طبعوں کو کدورت یا بھادور و سرفروہ میں گفت و یاد کی لذت اور عافیت میں راحت ہوتی ہے وہ سب اسی قسم میں داخل ہے۔ اسباب باہرین سے ان چہائی کی لذتیں۔ تاثیر و تاشا اور فعل انفعال کے سلسلہ کو دیکھ کر جو کچھ طبی طور پر پریشانی ہو گیا کہ قوت علیہ کے بعض اعمال قوت علیہ (یا عقل یا درجہ) کے حق میں مفید اور بعض مضر ہو گئے۔ اور کوئی ایک فعل بھی قوت علیہ کا اس نفع و ضرر سے خالی نہ ہوگا۔

○ چنانچہ اگر کوئی ایسا کامل آدمی جس کی درجہ کی صحت اور عقل کی سلامتی۔ واصل قوت سے ثابت ہو چکی ہو احوال کے حسن و قبح کے متعلق کچھ فیزی یا فزیکریے اور ہم اپنی قوت علیہ کی کاروائی اس کے خلاف پائیں تو ہم کو اطمینان کر لینا چاہیے کہ ہماری قوت علیہ معزز یا باطنی اور دیگر مرض میں مبتلا ہے اور اسے تاثیر و تاشا کے

کے قانون کے موافق جو قوت علیہ اور عقل کے درمیان اچھی ثابت ہو چکا ہے یہ کہنا چاہیے
 گا کہ قوت علیہ میں عقل بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں ہے بلکہ بیماری میں پھنسی ہوئی ہے
 کیونکہ اگر عقل تندرستی کی حالت میں ہوتی اور پوری قوت کے ساتھ صحیح احکام نافذ
 کرتی تو قوت علیہ جو ہر طرح سے اس کی محکوم اذیت بردست ہے ہرگز اس کی
 عدول ممکن نہیں کر سکتی تھی۔

اس سے بھی زیادہ ضعف اور انحطاط عقل کا اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب
 کہ وہ خود بھی کسی عمل کے فوائد یا نقصانات سے واقف ہو۔ اور شہوت کے غلبہ
 یا کسی نفع جوئی مہل سے متاثر ہو کر اپنے اصلی کم کے خلاف قوت علیہ سے علحدہ
 آمد کر دے۔ حتیٰ کہ عمل کی ممانعت سے عقل ایسی پاگل بن جائے کہ اسی مرض کو
 صحت سمجھنے لگے۔ چنانچہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے حالات کا تتبع کرنے سے یہ ظاہر
 ہوتا ہے کہ اس میں اکثر افراد اس قسم کے روحانی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔

دور کیوں جاتے ہو۔ اپنے زمانہ ہی کا حال مشاہدہ کر لو کہ اکثر لوگ ایسی ہی
 موٹی باتوں میں جن کے پہلے بسے سے سب واقف ہیں۔ جان و جہرہ کو غفلت
 عقل علحدہ آمد کہتے ہیں۔ اور خاص وہ امراض جو تپ و ذی کی طرح مزین کو بھی
 کم محسوس ہوتے ہیں ان کی تشخیص تو کوئی طبیب ہی کر سکے تو کر سکے۔ پھر اکثر
 اداکار کا یہ حال ہے کہ بچپن سے تا حیات ان عادتوں میں گرفتار رہنے کی وجہ سے
 صحت کی لذت سے آشنائی نہیں ہوتی۔ اور کینہ حسد۔ غل۔ تکبر۔ خود پسندی
 وغیرہ امراض سے قطع نظر کہ وہ دو عام امراض جن کو دبا کی امراض کہنا چاہیے
 نہایت کثرت سے وقوع میں آتے رہتے ہیں۔

جس قوم کو چاہے وہ کچھ ٹیپے کہ شادی۔ غمی۔ اور سوائے ان کے اور معاملات
 میں بیکاری ایسی غیو و اندر سوم تعبیر کے پانچ میں کسی کے نقصانات کا دل جان
 سے اقرار کیا جاتا ہے اسی طرح ہر فرد ایک مجددی اعتبار پر دل جمانے بیضا
 ہے۔ اگر ان سارے فرقوں میں سے کسی ایک کو بھی حق پر قرار دیں تب بھی اکثر
 لوگ تو باطل پر ہی نکلیں گے۔

پھر اکثر اقوام کی بعض عادتیں ایسی خلاف عقل ہیں کہ جن کی قباحت تمام
 اہل خواہب کے نزدیک مسلم ہے۔ ہندوستان کے اکثر گوجر اور افغانستا
 کے کوہستانیوں اور عرب کے بدوؤں میں چوری قرائی اس جہم مروت ہوئی
 ہے کہ ردا کی زد سے ان کے خیال میں موجب عین و تقیہ نہیں رہی۔ طوائف
 کی قوم میں زمانہ کی اس درجہ ترقی ہے کہ معیوب ہونے کے بجائے اس کو اپنا
 ہنر سمجھنے لگیں۔ غیور کی پرزوری اور بے شرب امثال ہو گیا ہے۔ اور دوسری
 بعض قوموں میں شراب نوشی بے پردہ اور ترک ناموس کی یہ نوبت پہنچی ہے
 کہ اس کے نتائج بد برابر دیکھتے ہیں مگر زبان پر نہیں لاتے۔ غرض مختلفہ فظولوں
 میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدہ کا آدہ بگڑا ہوا ہے جس کی اصلاحات کی توقع بھی بہت
 کم ہو سکتی ہے۔

ایسی اجتر مالت میں جبکہ کوئی عقل بھی والا شامہ اللہ مرض سے خالی نہیں
 ہے مجدد صاحب نے اگر یہ فرمایا کہ نبوت کا راستہ عقل کے راستے سے علیحدہ
 ہے تو ہمارے نزدیک ہیست بجا فرمایا کیونکہ بیماری کی طبیعت بسا اوقات ایسی
 اشیاء کی طرف راغب ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مضر ہیں اور ان چیزوں سے

نفرت کرتی ہے جو فی الواقع اس کو طبعاً مرعوب ہیں بخدا والا اکثر کھانے سے متغیر ہو جاتا ہے۔ اور ذہل کی کلن یا خارش کی نوچ میں انسان اپنے بدن کے تراشنے اور کھال کے نوچنے پر بے اختیار مائل ہوتا ہے۔ لیکن وہ نفرت اور یہ رغبت دونوں بے عمل ہیں جن کا باعث یہ ہی مرض ہوا ہے۔

اگر مہرود صاحب یا اور کوئی عالم یہ حکم صادر فرمائیے کہ فریب مغرباً عقل سلیم کے مجبور کا نام ہے اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی، تو ان مرعوب عقلوں کے واسطے آفاقی معنی مطلق النہی کا اسیجا خاصہ بپا نہ تھ آجاتا اور وہ ہرگز تندرت اور تیار عقل میں تفریق قائم نہ رکھتیں۔ جس سے دنیا میں ایک فساد عظیم پراپ ہو جاتا اور جلالت کے بجائے گمراہی پھیلتی۔

بہر حال جبکہ اس امر کا بادر کر لینا بالکل آسان ہو گیا کہ اکثر انسانی عقلیں مبتلا امراض رہنے کی وجہ سے اس پر قادر نہیں ہیں کہ وہ یقین اور اطمینان کے ساتھ تمام اخلاق و اعمال میں نیک کو بد سے اور فضیلت کو مضرت سے تیز و سیکس تو ہمارا اس باب سے کسی ایسے طبیب حاذق کی طرف رجوع کرنا ضروری قرار پائے جس کی رائے کبھی غلط نہ کرتی ہو۔ جو اپنے مریضوں پر پورا پورا رحم کھانے کے علاوہ تمام دواؤں کے خواص اور ادوائے سے واقف ہو جس کو مختلف دواؤں اور غذاؤں کی تاثیرات کے باریک سے باریک فرق معلوم ہوں اور جس کی نظر و تامل کے اشتکات اور دوح کی تمکین پر کامل طور سے جاری ہو۔

لیکن ایسا طبیب اس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ جس کے سہارے تمام عالم کی ہستی قائم ہے جس کی ذات ہر قسم کے میوب اور امراض

سے پاک ہے اور جس کے وجود اور کالات کو مغرب ایک مستقل رسالہ میں ہم درس و لائل سے ثابت کریں گے۔

دنیا میں جس قدر ہادی آئے۔ جن مقدس بندوں نے اپنی نبوت کا سکہ بھرا جتنے بچے شریعتوں کے تبلیغ کرنے والے گزرے وہ سب کے سب اسی حکیم مطلق کے مطلب کے نسخہ نویس اور تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اس عالمی لالچی کی اسناد و فنیست لوگوں کو دکھائی اور اسی حکیم برحق کے عطا کئے ہوئے اعلیٰ تحفے اور نشانات پیش کئے تاکہ اللہ کی مخلوق با مرطبیوں کو اشتہار ہی عکسوں سے جدا کر سکے۔ ہم میرا دردِ حزن کے پیر پانچے ہیں، دھوکہ دہگے اور مخالفوں کی جماعت پر تیروں کا اشتباہ نہ ہو۔

ہم جب نبوت کی ضرورت اور نبی کے تعین پر مبسوط بحث کریں گے اس وقت ان علامات کا تفصیل ذکر کریں گے جن سے کسی خاص شخص کی نسبت یہ دریافت ہو سکے کہ وہ خدا کی عرسہ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دنیا میں حکیم علی الاطلاق کی نیابت کا واقعی مستحق ہے۔

گمراہی موقع پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف اتنا دکھانا چاہتے ہیں کہ خدا تمہارے فیوضات اخذ کرنے اور اس کے علوم و کالات کا مغربے کے واسطے انسان میں عادتوں کے شرائط کی ضرورت ہے یا الفاظ دیگر حق تعالیٰ کے دردمیں طلب و دعا کی کوسل کس استعداد پر موقوف ہے۔

جو شے اس قسم کے عمیق مباحث میں دخل دینے کا ہم کو کچھ استعداد نہیں ہے اور جس دلدی میں ہم قدم زن ہونے کا اردور کھتے ہیں۔ اس کو باری تعالیٰ قطع

کر لینے کا خیال مض ہماری فکر کے خارج از مصلہ بلکہ پروا ہی سے زیادہ وقت نہیں رکھتا۔ لیکن اس نادانقت مسافر کو راستہ کی مشکلات کی کیا پروا ہو سکتی ہے جس کی دستگیری کے واسطے ایک اعلیٰ درجہ کا مصلوہ و تجربہ کار ہادی موجود ہو۔

ہم پہلے بھی جن تیرہ دیکھنا رکھنا ہوں کو طے کر کے اس مقام تک پہنچے ہیں ان میں کوگزنا آسان و آتھنا اگر تاحسی تعصیفات ہمارے لیے شعل راہ نہ ہو جس اور اب بھی انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ ان ہی کی روشنی میں منزل پیش آمدہ کے مہالک خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم اپنے مقصد اعلیٰ پر صاف جا پہنچیں گے۔

دو ذات باہر کات جس کی قوت قدسیہ نے شریعت صادقہ کے کچھ و زچ اور نظری و فلفلی اسرار کو بھی براہمت کی مدد کے قریب لا رکھا ہے۔ اگرچہ وہ خود دنیا سے اٹھ گئے مگر ان کی قیامت تک نہ خٹنے والی یاد گاریں ہماری رہنمائی کے واسطے زندہ جاوید ہیں۔

اس میں ہرگز مبالغہ نہیں کہ اگر حضرت مولانا محمد قاسم روحی دارالکلم فداؤ کی بیش بہا کتابوں پر میری دسترس نہ ہوتی تو میں ہرگز اس طرح کے نازک مسائل پر بے خوف و خطر قلم اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتا۔ اس لئے یہ سخت احسان فراموشی اور ضیانت تصور ہوگی کہ میں کسی ایسے مضمون کو اپنی طرف منسوب کر کے جو درحقیقت حضرت مولانا محمد قاسم کی تصانیف سے اخذ کیا گیا ہو اپنی غیر ذاتی عنف و تفتق کا ثبوت پیش کر دوں۔ میں اس سے زیادہ اپنے کو خوش قسمت اور فائز المرام بنانے کی تمنا نہیں رکھتا کہ مولانا کے عالی ضامین

میری پہلے بیان میں اس طرح ادا ہو جائیں کہ ان کی تعبیر میرے دماغ کے واسطے مفید اور صحیح ہو اور اپنے قصور و غم پر ہمیشہ اپنی تقریر کی وجہ سے دلائل کی تقریب نامان نہ رہے۔ چنانچہ اس وقت بھی جس بحث کا آغاز کیا جاتا ہے اس میں میرا صرف اسی قدر تصرف ہوگا۔

یہ بحث جس کی ابتداء سے آج ہماری تحریر کی دوبارہ ابتداء ہوئی ہے فی الحقیقت نبوت کی بحث ہے اور ہم کو بحث دوسری اور دوسری دنیا سے نہیں بلکہ محض حق پر وہی اور انسان کے ساتھ یہ دیکھنا ہے کہ ان پر فطرت و جلال مضمون جس کے لئے نبی رسول و پیغمبر و غیرہ الفاظ روشن کئے گئے ہیں کیا خارج ہیں دائمی طور پر اس کے کچھ افراد موجود ہیں یا وہ بھی مفلان شاندار تعلیمات کے ایک تخیل ہے جن کو خواب اور ہم لوگوں کے دماغ فرصت اور تنہائی میں جیہ کہ اختراع کرتے رہا کرتے ہیں۔ اس آخر احتمال کوں کر جس سے شان نبوت سے محض علم راہی تھی جوئی ہے

ہم کو اندیشہ ہے کہ شاید کوئی جو شبلیہ مسلمان ہمارے ایمان میں تردید پیدا کر کے ہم پر ہی نہ گزرتھیں اسلئے ہم ایسے مساجوں سے باوجود عرق کرتے ہیں کہ وہ جگہ اس کے کہ اپنے قابل تعریف عقدہ اور شوق کو ہم مسلمان ناقدین کے حق میں صرف کریں بہتر ہو کر ان مطلق الدنیا و ربوہ کی مسکوئی کے واسطے استعمال فرمائیں جن کی زبان سے ماہلکتا الا لاہ و ان ہی الا حیاتنا الدنیا و غیرہ الفاظ قرآن کریم نقل کئے گئے ہیں اور جن کی ایک بڑی بھاری تعداد آج کل پورب میں نہایت نکات سے اور ہندوستان و غیرہ میں زبان حال سے یہ صدائیں لگ رہی ہے کہ تمہارا وجود و محض ایک فرضی وجود ہے۔ نبوت و رسالہ صریح کی بیانیہ کے نام میں۔ احماد

کلمات اگلے زمانہ کی نظر بندیوں کے افسانے ہیں۔ اور وحی والہام کی حقیقت دایہ انوں کی بڑے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

یہ لوگ صرف ایک عقل کے اور وہ بھی اپنی عقل کے مشورہ کو ماننا چاہتے ہیں اور ان کے مذہب میں جادو عقل سے ایک لہجے اور صراحت پر مبنی کفر و شرک یا کم از کم گناہ کبیرہ کے برابر ہے۔

یہ زاریا شخص جس کو کبھی کسی مشکل مسئلہ کے متعلق افہام و تفہیم کا موقع ملا ہوگا بشرطیکہ اس کے جو قوت منطاب کے مسلمات بھی بہت ہی قصور سے سے ہوں اخذ نہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک ایسے آزاد فرد کی بے قید شبہات سے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ ہر ایک تردد و شمار مرصع ہے اور یہ کہ ہمارے مولائے ردت و قداد الہی حامی، سننے ان لادہ بیوں کے مقابلہ میں کس درجہ شبہات و استغفال اور معقولیت سے کام لیا ہے۔

مولانا کا اس آزاد گردہ سے صرف ایک سوال ہے وہ یہ کہ تمام مخلوقات میں نیک و بد کا تفاوت، جیسے بڑے کفر و ادا علی ادنیٰ کے قیاسی مدارج جو ہماری تہذیبی سب کی عقل نے قائم کر رکھے ہیں اس کا معیار اور پیمانہ عقل کے پاس کیا ہے عقل نے جمادات سے حیوانات کو کیوں اچھا بتلایا ہے اور تمام حیوانات کے اعتقاد سے انسان کو کیوں پسند نصیبت عطا کی ہے جہالت کے مقابلہ میں وہ علم کی ہمیشہ کیوں عداوت را کرتی ہے۔ اور جہالت و شجاعت کے کارناموں کو وہ بین و نامردی کے پرغلاف کوسر سے سر بلند رکھتا چاہتی ہے۔

المنفرد وجود کو عدم پر وجودیات کو عدمیات پر ہونے کو نہ ہونے پر استغفال کو

اعتیاد پر اور راحت کو تکلیف پر کیوں ترجیح دیتی ہے۔ وہ کون سا نمونہ اس کے پاس ہے جس کے ساتھ مناسب و مشابہ ہونے اور نہ ہونے کی وجہ سے وہ مخلوقات میں سے ہر ایک چیز کو بھلا یا برا جان دینے کا استحقاق رکھتی ہے۔

اگر تم ایک اچکن کا کپڑا کسی ہوشیار ورنزی کو قطع کرنے اور بیٹھنے کے لئے دو یا بازار جا کر کوئی عمدہ ٹوپی اور خوبصورت ہتی خریدنے کا ارادہ کرو تو بیشک تم ان سب چیزوں کی حسن و خوبی اور زور و نیست و خیر و زور و نیست کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھ سکو گے جو قدرت کی طرف سے تم کو ایسے ہی کاموں کے لیے عنایت ہوتی ہیں لیکن اس دیکھنے کے اندر تم کو چند پرانیوں پرانے اشیاء کے مطابق کرنے کی ضرورت ہوگی مثلاً اچکن کو تم اپنے بدن پر پہن کر اور ہتی کو پاؤں میں ڈال کر اور ٹوپی کو سر پر رکھ کر دیکھو گے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز اپنے پیمانہ پر پوری نہ آئے بلکہ ذلیل یا تنگ رہے تو تم اس کو ناموزوں سمجھ کر مسترد کر دو گے اور اگر اتفاق سے کوئی چیز خاطر غلط اپنے پیمانہ پر مطابق ہوگئی تو پھر خود خیال کر سکتے ہو کہ تم کہاں تنگ اس کی قدردانی کے لیے تیار ہو گئے۔

○ ٹھیک اسی طرح عقل کے پاس بھی ہر نیک و بد کی تیز کا کوئی پیمانہ اور جیسے بڑے کی شناخت کا کوئی معیار موجود ہو نا چاہیے کہ جس پر منطبق ہونے لادہ نہ ہونے سے وہ ہر ایک مخلوق کے حسن و قبح کے مراتب و ریاضت کر سکے۔

غالباً ہر عقل کے جذبہ فطرت میں جیسا کہ ہم مغرب ثابت کریں گے۔ مخلوقات کے اسوا ایک ایسی اعلیٰ ہستی کا لادک موجود ہے جو بین و وجود ہونے کی وجہ سے عدم و نیستی کا شائبہ اپنے اندر نہیں رکھتی اور اسی وجہ سے وہ ہر قسم

احوال و احوال میں مشابہت اور کم و بیش ہیں تو جو کوئی علم میں نہ رہے ہوا اور اخلاق میں قدرت، عنایت، علم، غفور و غفور کے جو خدا کے اخلاق میں لکھا ہوا وہ عجب و قصور سے بری ہے۔

اب جس حد تک عقل اپنی رسائی اور صفائی کے موافق کسی مخلوق کو اس ایک چیز سے مناسب پاتی ہے اسی حد تک اس کو اعلیٰ اور افضل ہانتی ہے اور جو چیز اس سے بعید و نامناسب ہوتی ہے وہ نامانی عقل اس کو پستی کی جانب دھکیلتی جاتی ہے مثلاً :-

وہ عقل کے مرتبہ شناسی کا سمیادہ جسکو دوسرے الفاظ میں ہم خدا کی منزل کہتے ہیں، چونکہ وجود ہی وجود ہے علم کا اس میں اصلاً اختلاف نہیں اسی واسطے ہماری عقل موجودات کو جویشہ معدومات پر ترجیح دیتی ہے۔ پھر موجودات میں بھی جس شے میں خدائی صفات کا کم و بیش ظہور دیکھتی ہے۔ اسی حیثیت سے اس کی توفیق کو ان اشیاء کے مقابلہ میں تسلیم کرنا لگتی ہے جن میں وہ صفات نہ پائے جاتے ہوں۔

دیکھو چونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ خداوند کریم زندہ ہے۔ حیوان نہیں اور اس باب میں ہم نے دیکھا کہ آدمی اور جانور خدا تعالیٰ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں منی۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ شجر و حجر وغیرہ نہیں دیکھتے تو ہم نے جان لیا کہ حیوانات کا رتبہ جمادات سے اونچا ہے۔ اس کے بعد خیال کیا کہ خداوند کریم عالم ہے جاہل نہیں اور ہر انسان باقی جانداروں سے علم و عقل میں ممتاز ہے تو ثابت ہوا کہ انسان جملہ حیوانات میں اشرف و افضل ہے۔ پھر انسان بھی علم و اخلاق اور

ادرات کو بسبب اپنی لطافت کے جو قرب و مناسبت جناب باری عز و جہ سے حاصل ہے وہ ہرگز اجسام کثیرہ کو نہیں اور اجسام میں بھی مثلاً آگ ہوا سے بعید ہے اور ہوا پانی سے اور پانی مٹی سے۔ تو اسی ترتیب سے ان میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ شانہ کے ساتھ ایک طرح کا قرب و مناسبت حاصل ہوگا۔ اور شاید اسی قرب و بعد کا اثر ہے کہ لطیف چیزوں سے باوجود اس نزاکت کے وہ کارہائے نمایاں بن پڑتے ہیں کہ کثیف سے ہرگز نہیں ہو سکتے یوں ایک پلک چمکنے میں آسمان سے زمین پر آتی اور پھر آسمان پر

اثر ہوتا ہے اور اس سرعت سے کہ سفر میں پہاڑ بھی اگر سامنے آجائے تو اس کی بھی
فردہ پار حقیقت نہیں سمجھتی۔ شاعر شمس قدس کا یہ حال ہے کہ سرعت پر بھی اس
کے سامنے گر وہے کہاں زمین کہاں چوتھا آسمان۔ خیال کرتے ہوئے دیر لگتی
ہے پراس کو یہاں تک آتے دیر نہیں لگتی۔

علی ہذا آیت اس اپنی نگاہ کو کھول دے اور آوازوں کی تیز روی اور زخیاں و گمان
کی رسائی کو سوچو جن میں غفلت، بڑھتی جڑے گی ماسی تدر تدر اور تدر تدر زیادہ
ہوگی۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ لطیف چیزیں اپنے تڑپ و تابست کی
بدولت عورتانہائی کے فیضان کی کماوت سے وہ حریفیتی میں جو بدولت اللہ نسبت اشیا
کو نہیں مل سکتا۔ اور اس کی نظیر ظاہر میں بالکل اس طرح ہے کہ شمع کا نور اس
کے آس پاس کی چیزوں کو بہت زیادہ منور کرتا ہے لیکن دور کی چیزیں اس
سے اتنی روشن نہیں ہوتیں۔

پس اگر وہ اخلاق حمیدہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات بابرکات میں موجود ہیں قلیل
کثیر کسی فرد بشر کے نصیب ہو جائیں تو بے شک۔ بہ نسبت ان افراد کے جن میں
یہ اخلاق نہیں اس شخص کو حق تعالیٰ سے بقدر مطابقت اخلاق کے خیر عطا
ہوگا۔ اور جو عنایت نامہ نثار۔ کہ ہم اس کے حال پر مبذول ہوں گے اور وہ
کو بیشتر ہو سکیں گی۔

○ آپ عقرب بوزداشت و تفصیل یہ معلوم کریں گے کہ جیسے زمین و آسمان
میں ہر طرف نور آفتاب کا ظہور ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے آپ سرور و رفیع
کائناتیا زار و خیر بصورت و بصورت قائم کرتے ہیں اور ہر صحن اللہ پرورش شد

ہر جگہ اور ہر مکان میں پیدا حیرا قطع سے وہ ہی جلوہ گری کے ہوئے ہے ایسے
ہی تمام کائنات کا وجود خداوند حقیقی کے نور وجود کی پرتو آشتانی کا نتیجہ ہے۔ تو
جس طرح آفتاب عالم تاب کو بائیں ہمدرد مر فیض، قلبی دارائینہ اور آشتی
شیشے کے ساتھ وہ خصوصیت خاصہ حاصل ہے کہ دوسرے اجسام کے ساتھ
نہیں۔

(دیکھو)۔ آشتی شیشے میں سوائے روشنی کے آفتاب کی جانب سے ایک
خاص حرارت اور آشتی اثر کی بھی آمد ہے اور باقی اجسام کو جو در میں اس کے پاس
ہی رکھے ہوں اس تاثر کی مظن ظہور نہیں۔ یا آئینہ قلبی دار میں آفتاب کی روشنی
کا اس قدر اظہار ہے کہ در صورتیکہ دوسرے اجسام آفتاب سے فیضیاب ہو
کر خود ہی روشن ہو جاتے ہیں یہ خود بھی سورج کی طرح چمک اٹھتا ہے اور
جو اجسام اس کے بالمقابل ہوں ان پر بھی اپنا پرتو ڈالتا ہے۔)

اسی طرح فیض خداوندی کو بھی عام رخاں سمجھنا چاہیے۔ کہ یہ فرق مجز
فرق مناسبت اور فرق قابلیت کے اور کیا ہوگا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جیسے آفتاب
کو آئینہ یا پتھر سب برابر و یکساں ہیں ایسے ہی خدائے بے نیاز کو بھی تمام مخلوق
پر برابر ہی کسی سے بخل نہیں۔ البتہ مخلوقات کی قابلیت اور مناسبت بے
انتہا مختلف ہے۔

تو جو لوگ صاف باطن ہیں اور اپنے نبی نوع سے ایسے ممتاز ہیں جیسے
آئینہ لوہے سے بلیں جیسے آئینہ دراصل وہ ہی لوہا ہے جو بلی کیل کے دور ہو
جانے کے باعث صاف و شفاف آئینہ بن گیا ہے ایسے ہی وہ لوگ بھی شل

اور نبی آدم کے وہ ہی حقیقت اور کثرت انسانی رکھتے ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ ان کی اوقات جو ہم نہ ہونے آلائشوں اور کدو توں کے جو سبب تعلقات پنہانی کے ہوتی ہیں پاک و صاف ہیں وہ لوگ عجب نہیں کر بہ نسبت اپنے ہی نور کے زیادہ معزز و ممتاز ہوں اور پھٹے ایسے فیض ان کر خدا کی طرف سے پہنچتے ہوں کہ ہم کو تم کو ان کی اطلاع بھی نہ ہو۔ مئی بہ تم بہ ذات خواران فیوضات سے غروم دیں۔ گمان ہی پاک۔ دل لوگوں کے واسطے سے جن کے غلب پر اہل رو فیض وارد ہوتے ہیں صرف مستند ہر وہ باب ہو جائیں جس قدر وہ در و دیوار آئینہ منور سے یا سیاہ و سبز و غیرہ اشیاء جو چھنے کے قابل ہوں آتش شیشے سے۔

عرض ہو سکتا ہے کہ جیسے آفتاب کے مقابل کے وقت آتش شیشہ یا آئینہ قلعی دار کے باطن میں آفتاب کی طرف سے ایک فیض یا سی طرح آتا ہے کہ بظاہر آتا ہوا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور پھر اس کے حاصل ہو جانے کے بعد وہ دونوں بھی بقدر طاقت اپنی فیض رسانی میں مطلق بخل و دریغ روا نہیں رکھتے بلکہ ہر اس چیز کو جو ان کے سامنے آتی ہے اپنے حلقہ اثر میں داخل کرنے کے واسطے تیار رہتے ہیں۔

○ ایسے ہی کیا عجب ہے کہ بعض نبی آدم کے دلوں پر جن کے دل جمعیاتی کثرتوں اور انسانی کدو توں سے پاک و صاف ہیں ایسی حرارت محبت خداوندی نازل ہوتی ہو کہ اور لوگ اس کی خبر بھی نہ ہو اور وہ خود آتش شیشے کی مانند اس کو پی جائیں اور تھل کر جائیں لیکن دوسروں کے دلوں میں آگ لگے کہ اور ان کی ساری کدو توں کو سوخت کر کے ایسا پاک و صاف کر دیں جیسا

ہو ہے کہ جاکر صاف و شفاف آئینہ بنالیا جاتا ہے۔ اور پھر اس نورانی سے جوش آئینہ کے خاص ان کے دلوں پر اثر کرتا ہے اور اترتا ہوا معلوم نہیں ہوتا اور ان کا نظائر مثل در و دیوار کے اور باطن مثل اس آئینہ کے جزو آفتاب کے مقابل نہ ہو مگر اس آئینہ کے مقابل ہو جو آفتاب کے مقابل ہے بجا آید دیتا جگہ لگاتے۔ یعنی ان کا فیض ان لوگوں کو جو ان کی طرف صدق دل سے متوجہ ہوتے ہیں ظاہر و باطن میں ایسا ظاہر کر دے کہ کدورت کا نام و نشان باقی نہ رکھے اور کدورت احوال اور برکذریہ اخلاق سے ان کا اندرون و بیرون بخوبی آراستہ ہو جائے۔

ہمدی خواہش اس وقت اپنے دوستوں سے اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا سے خود بخل میں (جو کہ مخزن کمالات ہے) اور چنانچہ انسانوں میں فقط ایک ایسے ہی خاص طرح کے تعلق کو مستند سمجھیں جیسا کہ انہوں نے آتش شیشے و نیزہ کا آفتاب کے ساتھ شاہد کیا ہے۔

اگر ان کو خالق و مخلوق کے درمیان اس قسم کے پوشیدہ تعلقات کے ممکن اقل تسلیم ہونے میں تا مل نہ رہا اور غائب نہ رہا ہوگا۔ تو پھر ہم بہت ہی تھوڑے سے خور و فکر کے بعد ان خصوصیات کو طے کر سکیں گے جن سے کسی ایک یا چند معین اشخاص کی صداقت پر جو کبھی اس تعلق کے مدعی رہے ہوں کافی استدلال ہو سکتا ہو۔ لیکن

○ ہم ابھی تک تو اسی در و حیرت میں پڑے ہوئے ہیں کہ شہ و دیہہ کا وقت ہے آفتاب ٹھیک نصف النہار پر ہے۔ لکھنویاں سنگم تیرے۔ درخت کی

بہ مستیوں سے دنیا کی اخلاق مرتع کی اصلی صورت ایسی ہو گئی تھی کہ پہلی نہ جاسکتی تھی۔

وہاں پر ایک ایسا مذاکیش اور دشمن خمیر انسان ظاہر ہوا جس کے قلب میں فطری طور پر کمالات الہی سے استفادہ کرنے کی پروری استعداد و ولایت کی گئی تھی۔ اور جس نے ہوش منجھاتے ہی بغیر کسی ظاہری معلم کے تمام گرد و پیش کے خیالات سے علیحدہ ہو کر ایسی روش اختیار کی جو سیدھے معبودِ حقیقی تک پہنچانے والی تھی۔ اس پاکیزہ سرشت انسان کو اپنے جبلی اخلاق اور پرکڑیہ ملکات کی بدولت جو وہ بطنِ مادر سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس مینع الکلمات خالق سے ایک خاص انصافِ نزدیک اور شائبہ تمام ہو گئی اور جو حق وہ خدا کا پاک طینت بندہ تمام قافی تعلقت کو فراموش کئے ہوئے دل سے طلبِ صادق کے ساتھ طوائفِ ذوالجلال کی جناب میں متوجہ ہو کر بیٹھا تو معلوم کس غیرِ مسموم راستے سے ایک ایسی گرم روشنی آس کے قلب کی تہیں اتری کہ پھر جو دل بھی سامنے آیا اس کی ساری کہ و درتوں اور آلائشوں کو مٹا کر کندہ بنا دیا۔

کیا کوئی عقل و انصاف کا کامی ان دونوں واقعوں میں جو ہم نے ذکر کئے مادیات اور روحانیت کے فرق کے سوا اور کوئی فرق ہم کو ایسا بتا سکتا ہے جس سے ایک واقعہ تو ہماری اجماعی مخاطب کے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں اور دوسرے کی محال اور ناممکن سمجھ کر ہنسی اڑائی گئی۔

جہاں شبہ آتشِ شیشہ اور آفتاب کی مثال ایک جشمانی مثال ہے جس

شائیں۔ نہ مینا کے ریتِ سند کا پانی اور نہ ہے کے کالے کالے ٹکڑے غرض نیا کی سینکڑوں ہزاروں چیزیں اس کے سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ سورج کی روشنی میں ہر ایک شے ان میں سے الگ الگ دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر ایک میں دھوپ کی کچھ نہ کچھ گرمی بھی محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن ان ہی مختلف الانواع اشیاء کے بیچ میں امدان ہی کالے سیاہ آہن پاروں کے قریب ایک شخص بیٹھا ہے جس کے ایک ہاتھ میں آتشِ شیشہ اور دوسرے میں کوئی سیاہ یا سبز پار ہے اور جب وہ اپنے شیشے کو سورج کے دھوپ کو کر کے پار کو اس کے مقابلہ پر لٹاتا ہے تو اسی وقت پار میں آگ سلگ کر دھواں اٹھنے لگتا ہے۔ اور جب شیشے کو سورج کے پار کو شیشے کے سامنے سے سرکا دیتا ہے تو وہ تاثیر آتشیں باقی نہیں رہتی۔

یہ سارا تعجب انگیز ماجرا جب ہم ایک انتہا سے انتہا مائل اور متعصب آدمی سے کرتے ہیں تو وہ بغیر کسی استعجاب کے اس کو تسلیم کرنے لگتا ہے لیکن ماد جو اس کے وہ بہت انوس ناک دنیا کی کے ساتھ محال سمجھ کر قفسِ آزار سے کو مازد کھتا ہے جب ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ ریگستان میں جہاں پر بہت سے ایسے مختلف المذہب مختلف الصبائح اور مختلف الانواع لوگ جمع تھے جن کے چہرے علیحدہ علیحدہ کی مانند نہت و سیاہ و لولوں پر آفتاب کمالات کی شعاعیں بھی اپنا گہرا اثر نہ ڈالتی تھیں۔ جن کے تہ تر مادی کٹن فٹوں کے نیچے ان کی طبیعتِ انسانی نے اپنے کو چھپا رکھا تھا۔ اور جن کی جہالتِ آمیز حرکتوں اور غفلت

کو ہم کسی درمائی مسئلہ کے استدلال میں بقاعدہ منطقی پیش نہیں کر سکتے لیکن آپ اطمینان رکھیں کہ نہ ہم نے اس کو اپنا استدلال بنانا چاہا ہے اور نہ ہی حقیقت میں ہم کو بنانے کی ضرورت ہے۔

ہم اوائل تحریر میں بتلا چکے کہ ہماری غرض اصلی اس موقع پر صرف اس قدر ہے کہ آپ خدا نے ہرگز کے اور اس کے بندوں کے مابین ایک ایسے مخصوص تعلق کے ممکن ہونے سے انکار نہ فرمائیں جس کے ساتھ حضرت رب العزت کے بعض افادات خاصہ وابستہ ہوں پس اگر آپ اس قسم کے تعلق کو ناممکن اور محال سمجھیں گے تو درحقیقت مدعی آپ ہوں گے اور استدلال و رد ان سے کسی بات کا ثبوت نہ ہوگا۔ جیسا کہ ہم بھی پیشیت مدعی ہونے کے آپ ہی کا نسب ہوگا کیونکہ یہی قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود عدم کے ہونے نہ ہونے کے متعلق نزاع ہو تو اس پر مدعی وجود کا سامنے والا سمجھا جاتا ہے اور بنیاد اس کے اگر گفتگو کسی چیز کے امکان و امکان نہ ہونے کے ہونے میں ہے تو اب مدعی وہ شخص ہے جو اس کو ناممکن اور ممتنع سمجھے۔

اساں متبادل سے اگر میں بغیر کسی مزید توضیح کے یہ کہہ دیتا کہ بعض نبی آدم اور خدا کے عہد میں بعض ایسے تعلق ناممکن ہیں جو اس کے اور بنی نوع میں نہ پائے جاتے ہوں تو مجھ سے کسی قسم کے مطالبہ دلیل کا استہزاء نہ تھا، بلکہ مجھ کو تو سمجھا کہ میں اپنے ان مخالفوں کے جیسے تعلقات کو محال کہتے ہوں مجھ پر طلب کر دیں لیکن میں نے مناظرہ کے پہلو سے دو گز دور کے معنی تفسیر الی الغیر اور تسکین خاطر اور دفع المضطرب کے یہ ایک

محسوس و مشاہدہ نہیں اپنے دعا کی تبرنا پیش کر دی تاکہ جو لوگ ادیان و محسوسات کے دائرہ سے ایک قدم باہر نکالنے کے شکر نہیں ہیں وہ بھی ان غیر محسوس تعلقات کی نوعیت سے فی الجملہ واقفیت حاصل کر سکیں۔ یہ ایک اتفاق اور بہت ہی فائدہ مند بات ہوئی کہ جب ہم خالق و مخلوق کی ان نہایت تعلقات پر بحث کر رہے تھے اور نظریوں اور مثالوں کے ذریعہ سے ان کو رہنمائی کرتے جاتے تھے تو اس کے ضمن میں ہم کو پڑا یہ اصولی واسطہ کے سراغ لگانے کا بھی موقع مل گیا جن پر یہ تعلقات واقع میں متضرع ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے یہاں لیا کہ ان تعلقات خاصہ کی بنا اس قریب نہایت مناسب ہو کسی انسان کو خدا تعالیٰ سے اپنی روحی لطافت میں کاٹا، ہوا خلاق حیرت سے محنت ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور اس لئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص ان اعلیٰ لوصات کے انتہی موصوفہ راستی کا حامی اور کھینڈ افلاق و ذوات سے محترم ہوگا اس کو بعید نہیں کہ بسبب قرب درمائی کے خدا کے عزوجل کی جانب سے انورانی طور پر اس قسم کے افاضات خاصہ ہوتے ہوں، جو اس کے دوسرے بنی نوع کو نہ ہوں۔ خدا کے اقدس نے اپنے کمالاً: کا اس کو آئینہ بنادیا ہو اور اسی شان مرآتیت کی وجہ سے اس کے دل میں نہایت غافل اور وقتی ناخوشی بھی محسوس ہوتا ہے۔

اگر فرض کر دو کہ ہم کو دنیا میں کسی معتبر ذریعہ سے ایسے ایک یا چار آدمیوں کے وجود کا پتہ لگ گیا جن میں یہ صفات اعلیٰ اور اکمل حیثیت کے اندر پائے جائیں تو یقیناً یہی لوگ ہماری ان عبادتوں کے دروکاران بن سکیں گے

نہیں ہو سکتا اس بارہ میں عقل سلیم درکار ہے۔

(۱۵) ہر ایک چیز کے حق و قبح سے گناہ خدا تعالیٰ ہی واقف ہو سکتا ہے۔
یادہ شخص جس کو خدا تعالیٰ محض اپنے فضل و عنایت سے جس حد تک واقف
کر دے۔

(۱۶) خدا تعالیٰ کے فیوض و عنایات غرض سے ہر ایک انسان بقدر اپنے
قرب و مناسبت کے مستفید ہوتا ہے۔

(۱۷) جس قدر کوئی عقل لطیف یعنی انسانی الایشوں اور ادنیٰ کائناتوں سے
پاک و صاف ہو کر اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کے ساتھ مزین ہوگی اسی قدر اس کو
خداوند عز و جل سے قرب و تقاض حاصل ہوگا اور ایسی ہی عقلوں کو ہم عقول سلیمہ
کے نام سے یاد کرنے کے مستحق ہوں گے۔

ان صاف و صریح مگر مبہم بالشان نتائج کے سمجھ لینے کے بعد صرف یہ
ہی نفع نہیں ہوگا کہ ہم اپنے ایک خاص مقصد میں بقدر ضرورت کامیاب ہو گئے
بلکہ امام خدائی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر پر جو کچھ نکتہ چینیاں پہلے کی گئیں تھیں ان
میں سے اکثر کا جواب بھی ضمن اسی بیان سے نکل آیا۔ چنانچہ جن ناظرین کو
امام ممدورت کی تقریر اور اس کے متعلق شبہات، یاد ہو گئے وہ خود ہماری پوری
تقریر پر مکرر نظر ڈال کر امید ہے کہ ہر ایک شبہ کا جواب دریافت کر لیں گے
○ البتہ ہر سید کے اس اعتراض کا کوئی جواب ہماری مضمون میں ابھی
تک نہیں آیا کہ جب عموماً لوگوں کی عقلیں جتنا سے اراض رہنے کی وجہ سے
صحیح و فاسد اور نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتیں اور نہ ہر ایک پچھلے برے کئے

جس کے مرض کا مفصل تذکرہ ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں اور جن کی نسبت جرم
کہا تھا کہ وہ بتلائے اراض رہنے کی وجہ سے اپنے نیک و بد اور نافع و مضر
میں اسی طرح صحیح و غلط نہیں کر سکتے جس طرح ایک بیمار آدمی بیمار کی وجہ
سے عودہ عمدہ کھانوں کو برا سمجھنے لگتا ہے جو اس کو طبیعتاً مرغوب ہیں اور ذہل
کی لگن یا نادان کی نوپا میں اپنے بدن کے تراشے اور کھال کی نوچنے پر بے
اختیار مائل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ حالت صحت میں اس حرکت کو ہرگز عزیز
نہیں رکھتا تھا۔

یہ اس خدائے بے نیاز کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں نے جس مقصد کے
ثابت کرنے کے واسطے چلنا شروع کیا تھا یہاں پہنچ کر میں نے اس کو پایا اور
حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے آغاز سے انہام تک حسب ذیل
نتائج برآمد ہوئے۔

(۱) افعال انسانی میں نیک و بد کی تقسیم ہر فرد بشر کو خواہ وہ کوئی مذہبی آدمی ہو
یا دھرمی ماننا ضروری ہے۔

(۲) عقل سلیم جس کام کو اچھا یا برا بتلائے وہ ویسا ہی ہوتا ہے اللہ شریفیت
کے احکام بھی عقل سلیم کے مطابق ہوتے ہیں۔

(۳) عقل اور قوتِ علمیہ میں ایسا واسطہ خاص ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا اثر
دوسرے تک پہنچتا ہے اور حرکات ناشائستہ اور افعال ذمیدہ کو کسی شخص سے
نزد ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس کی قوتِ علمیہ (عقل) مریض یا کمزور ہے۔

(۴) عقل تقسیم (مریض) جس شے کو نافع یا مضر بتلائے اس پر اطمینان۔

کے استعمال کی نسبت اپنا سابق رویہ بدل ڈالتے ہیں اور اس تبدیلی کے وقت
بیچاری عقل کی ایک بھی نہیں سنتے بلکہ برتاوی کر کے کسی کریتے میں کھاتوں
کی پیروی بھی درحقیقت عقل کی ہی پیروی ہے تو اس حیثیت سے گویا ہم نے
عقل کے اشارہ کے بغیر کوئی جنبش نہیں کی۔

یہ ہی حال بعینہ مذکورہ "وشریت کا ہے" لیکن ہم کو تعجب کے ساتھ
افسوس ہوتا ہے کہ سرسید نے ایک نرالی منطق سے اور عجیب گول مول الفاظ
میں لوگوں کے دلوں سے ہمارے اس صحیح خیال کو مٹا دیا کہ اگر کم سست کم
دینا چاہے جس جگہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ:-

"ہمارا یہ اصول نہایت چننا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب غفلت
کے جو اس میں ہے مکلف ہو اسے پس جس بات پر وہ مکلف ہوگا
منزور ہے کہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو ورنہ معلول کا وجود وغیر
علت کے لازم آتا ہے جو محال و متنع ہے پس جن اخلاق کے
پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی
سے خارج نہیں"۔

(تہذیب و اخلاق جلد دوم مطبوعہ لاہور۔ معزین کا نقش ۱۳۱۱ھ)

میرا یہ سوال سرسید سے یہ کہ جس عقل کو وہ تکلیف شرعی کے واسطے علت
قرار دیتے ہیں اس سے کیا مراد ہے۔ آیا فقط قوۃ اوراک کا انسان میں موجود
ہوتا یا اس سے ہر چیز کو تفصیل دینا۔ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو
بعض احکام و اخلاق کے نرائد و عقل پر مطلع نہ ہونے سے علت و معلول

پہچاننے کے واسطے کافی ہیں تو ہنکو خدا تعالیٰ کی جانب سے احکام شریعہ کا
مکلف بنانا کیونکر صحیح ہوا حالانکہ انسان اپنے ذمہ لگ ہونے ہی کی وجہ سے
تمام حیوانات کے برخلاف شریعت کا مخاطب قرار دیا گیا ہے۔

اس کا جواب مختصر تو یہ ہے کہ انسان ہی ہے کہ شریعت نے جن چیزوں کے
سمجھنے یا کرنے کی جس حد تک تکلیف دی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ہمارے
احاطہ قدرت سے خارج نہیں ہے اور ہمارے ذہنی عقل ہونے اور اپنے اپنا
جس سے ممتاز بننے کا یہ نفع کافی ہے کہ ہم خدا کی نرالی اور رسول کی رسالت
پر مطلع ہو کر اپنے جملہ اداات اور حرکات و سکنات کی پاک ان دونوں کے
ہاتھ میں دیں۔ اور اجمالاً یہ جان لیں کہ جن دونوں کی صداقت کا ہم کو یقین
ہو چکا ہے وہ بلاشبہ ہمارے کامل خیر خواہ اور کامل حکمت والے ہیں۔ اور ان
کی ہر ایک چھوٹی سی چیز پر تعلیم پر کار بند ہونا ہمارے لئے نجات و سود
مندی سے خالی نہیں ہے۔

اگرچہ ہم ان کی احکام کی یا ان میں سے معنی کی تفصیلی حکمتوں اور مصالح
پر مطلع نہ ہو سکے ہوں۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ایک ماہر ڈاکٹر جب کسی دوا
یا غذا کے متعلق مفید یا مضر ہونے کا فتویٰ دیتا ہے تو ہم خواہ اس چیز کے خواص
و کیفیات بلکہ نام سے بھی صحیح اور پر آشناء ہوں اور خواہ جس کے استعمال
کا وہ حکم دیتا ہے اس سے نفرت اور جس سے وہ منع کرتا ہے اس کی طرف
رجعت بھی ہو مگر ڈاکٹر کی تجربہ کاری اور ہی خواہی پر اعتماد و کر کے جس کو ہم نے
محض ایک کردار و صفیت گمان کے ساتھ تسلیم کر رکھا ہے۔ ہم اس دوا یا غذا

حاصل ہو تمام انسانان کو کہو نہیں پہنچ سکتے اور جو پہنچ سکتے ہیں وہ معدودے چند کے سوا نہیں ہو سکتے اور وہ بھی نہ انچل میں بلکہ پشتوں اور پشتوں اور صدیوں اور صدیوں میں پس اس لئے تاکہ اس قدر عقل کی حرکت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ درشا فوق الملک اندمان کی حالت کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کئے جائیں جنہیں عقلی ایسا مادہ دیگی ہو اور جو اعتبار اپنی فطرت کے ان سچے اخلاق کے بیان کا حق ہو۔

ایضاً ص ۳۲

ان درزا و عباراتوں سے بھی اور ان کے اور بعض تصریحات سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ جملہ احکام شریعہ کے لم اور علت کو سمجھ لینا کو منطق عقل انسانی سے خارج نہیں ہے۔ لیکن ہر عقل شخصی کا یہ منصب بھی نہیں کہ ہر ایک حکم کی حقیقت اور کنہ کے سمجھ لینے کا وہ دعویٰ کر دے۔ تو سرسید کے اصول کے موافق سوال یہ ہے کہ سوائے ان معدودے چند انسانان کے جو در واقع فطرت سے شہداد ہوں جو اس سرسید پر ہم خود تھے، اور لوگوں کو جو ایسے نہیں ہیں ملکوت بنانا کیوں کر صحیح ہوا مالا کہ جن باتوں کے کرنے یا نہ کرنے پر ان کو براگشت کیا جاتا ہے وہ ان کی عقل شخصی سے یقیناً خارج ہیں۔

پس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ہم گزشتہ تارمان ہواؤں میں اور درشا عقل اور لک ان باب متقول سلیہ کو توں کے کچھ کچھ اوامات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اطلباء و مانی سمجھ کر اپنے لئے کم از کم اس طرح موت دائمی اور عداکت ابدی سے نجات دلائے والا تھو کہ میں ہوسا کہ ایک جاہل جیلر جو بڑبڑی

میں جلدی کس طرح لازم آئی اور اگر خدا خواست سرسید نے دوسری شق کو لیا ہے تو میں تسلیم نہیں کرتا کہ جو علت تکلیف کی سرسید نے قرار دی ہے وہ صحیح ہے اور آپ حیرت کریں گے جب یہ سنیں گے کہ میں اس شق کو تسلیم نہیں کرتا خود سرسید بھی ان کے اعتراض کرنے پر تیار نہیں ہوئے چنانچہ اسی مضمون کے دوسرے حصہ میں وہ لکھتے ہیں۔

اس بیان سے جو ظاہر بالکل سیدھا اور صاف ہے اور لکے اور بیچ اس کے کچھ نہیں ہے آئی بات ثابت ہوتی ہے کہ کائنات فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے اور نہ کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے اور نہ وہ فی معذات رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلاشبہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پا جانے یا سچے شیلاد سے اس کی طبیعت پر اثر ہو جا رہا ہے اور طبیعت سچائی کے مطابق حالات پیدا کر لے تب وہ حالت طبیعت یعنی کائنات انسان کا رہنما ہوتا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور فکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کر دیں جو کبھی دھوکہ دے دینا نہ کر سکتے ہیں مگر کب جب کہ انسان کی معذات کو ایک کوئی ترقی اور قوانین قدرت سے پر اور ان مختلف قوتی کے اور جو اس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں ایک معتد بہ آگاہی

کی جستجو میں وہی مریض عقلمیں سمجھتے واستقامت کے ساتھ ضرور کامیاب ہو جائیں گی اور اس کا احتمال باقی نہ رہے گا کہ جس شخص کو انہوں نے تندہیت شمار کیا ہے وہ فی الحقیقت بیمار ہو اور جس کو اپنا نہات دہندہ طبیب بھی ہیں وہ ایک نااہل اور خطرہ جان ہلاک ہو۔

لیکن ایسا سوال پیش کرنے والوں کو تھوڑی دیر کے واسطے اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر کسی ایسی ہی بیماری کوئی ایسی طبیعت یا جسم ہوں جس کے لوگوں سے اپنے فن کی حیثیت میں تعارف پیدا کرنا چاہے وہاں نہ وہ لوگ نہ تو نظریات طب سے خبردار ہیں اور نہ انوار مرض سے واقفیت رکھتے ہیں اور نہ ان کے لئے طرق علاج کی صحت و غلطی کا دریافت کرنا آسان کام ہے تو ایسی صورتیں اس طبیب کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہیں؟

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سب سے پہلے تو وہ جامع و محاسن میں موقع یوق اپنے طب دانی کا تذکرہ کرے گا۔ اپنے مطلب پر ایک بڑا سا بائین بورڈ لگائے گا اور وقتاً فوقتاً اپنے اسائیڈ کو جو کسی مشہور مدرسہ سے اس کو دستیاب ہوئے ہونگے خواص کے روبرو پیش کرتا رہے گا اور اس کے بعد کچھ لوگ تو عام چرچا اور بعض شہرت پر ایمان لاکر اور کچھ بعض امتحان اور پانچ کرنے کی نیت سے اور کچھ طبیعوں کے احوال و اطوار سے قدرے واقفیت رکھنے کی وجہ سے اس کے پاس بعض معالجہ آنے لگیں گے اور بہت سے مریضوں کے پاس اپنا اعتبار بڑھانے اور مطلب کو چمکانے

کسی طبیب ماذق کے استناد پر حاضر ہو کر اس کی نسبت خیال رکھتا ہے اور جس طرح ایک ذہنی باقی مریض اپنے معالجہ ڈاکٹر کے کہنے سے فقط اس اعتبار پر کہ وہ اس کے خواص اور منافع و مضار سے کما حقہ آگاہ ہوگا۔ کو عین کے دبا کر کسی نامعلوم الاسم ورا کے، کھانے کے لیے بلا پس و پیش آگاہ ہو جاتا ہے (ملاحظہ فرمائیے) طور و اس سے کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتا، ٹھیک اسی طرح اگر باپ عقول سقیمہ کو لازم ہے کہ وہ اگر باپ عقول سقیمہ کے احکام کے سامنے بالکل گردن و الدین اور ان سبب جات کے استعمال کرنے اور پرہیز کے قائم رکھنے میں جن کا اگر باپ عقول سقیمہ نے امر فرمایا ہو ایک لمحہ کے لئے بھی توقف نہ کرے اور تندرستی کو مدخل نہ دین بشرطیکہ طبیب کے طبیب اور ان سبب جات کے باپ طبیب ہونے میں ان کو کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا ہو۔

فرد و تربا، لا یومنون حقینکوں پس قسم ہے میرے پروردگار کا کہ یہ لوگ جہنم سے ہرگز نہ رہیں گے۔
یہاں شہر بندہ شد لا یجحدوا یا بنی برکتہ و تکریم کو دے رہے ہیں، اپنے باہمی منافات میں محرم نہ ہوں، اس اعتبار سے فیصلہ کے ساتھ میں قسم کی دلائل کے ساتھ تسلیم نہ کریں۔

○ ممکن ہے کہ یہ سوال اٹھایا جاوے کہ جب اگر باپ عقول سقیمہ کو بعض اپنے عقول اعتماد کرنا اور ان کی چاربات اور احکام پر پلٹنا ہی رہا نہیں رہا اور نہ کسی شرعی معاملہ میں ان کے اقتضائات عقیدہ کی توثیق و تعویب ضرورہ قرار دے گئے تو آخر اس کے بار پر لینے کی ہی ہمارے پاس کیا ضمانت ہے کہ عقل سلیم و سقیم کے امتیاز اور طبیب و مریض کی تشویش اور معالجہ و مستعلاج

بہت سے محض ازراہ استہتان و تشفی ہی نظر آئے ان کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے وہ خوش قسمت ہیں کہ خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوت قلبیہ اور محبت باطنی کے زور سے ہاؤن اشدان کو اپنی طرف جذب کر لیتے ہیں اور اس اشنا میں جب یہ لوگ روحانی امراض سے یکایک شنایاب ہو جاتے گئے ہیں اور ان کے دلوں کی تاریکی دور ہو کر جمال خداوندی کا عکس ان میں پڑنے لگتا ہے تو وہ اپنے ہاؤی کی نسبت فرما چکے ہوتے ہیں کہ :-

مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ هَكَذَا

اس وقت ان مریضوں کو بھلا چنگا دیکھ کر اور ان کے حالات سابقہ میں ایسا انقلاب عظیم پاکر اور ان کے دل بھی نہانے لگتے ہیں اور ان کو ان کی صحت کی بحالی پر رشک آنے لگتا ہے پھر تو مخلوق خدا فرحت و رفعت اور جنت و جنت ہو کر اس پاک بندے کے گرد جمع ہو جاتی ہے اور اپنے اپنے امراض کا مراضیاس کی طرف کرتی ہے۔ اور جیسے جیسے کہ یہ سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے اندھوں کی آنکھیں گھلتی باقی ہیں اور غفلوں کو عبرت حاصل کرنے کا موقع آتا رہتا ہے اس کے بعد اس کے طبیب ماذق (یا فیہ مرسل) سمجھنے کے واسطے نہ کسی استدلال کی ضرورت رہتی ہے اور اس میں بہت زیادہ تدریق اور غور و غمل کو کام فرمانے کی۔

○ الغرض جس وقت طبیب ساذق دینی کی شناخت کے لئے انسان کو اپنے دماغ پر کچھ زور ڈالنے کی ضرورت تھی اس وقت توحید قدرتی اسباب کی بنا پر یہ شناخت بغیر زور ڈالنے ہی حاصل ہوگی اور جب کہ اس کے مذاقت

کے لئے وہ بذات خود بغیر کسی قسم کی فیس اور مالی معاوضہ کے دور دراز کے مکتفا جہلاً کر چلا جائے گا۔

اب اس ساری جہد و جدوجہد اور دوا و دوش میں اگر کچھ بیماروں کی شناسا اس کے ہاتھ سے ممکن ہے تو وہ اس کی اولین کامیابی کا باعث ہوگی۔ اور جوں جوں کہ یہ سلسلہ ترقی کرتا جائے گا اسی قدر اس کی عزت اور مقبولیت کو بڑھا جائے گا۔ جہاں گئے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ کچھ زمانہ کے بعد شہرہ نامہ کے اس درجہ پر پہنچ جائے گا کہ مریضوں کو اس کے یہاں پہنچنے کے لئے استدلال اور غور و فکر کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور عوام کے محاورات میں شناسا و صحت کو اس کے معالجہ کو ششوں کی طرف اور موت و ہلاکت خالی جنت و اتفاق یا شیت ایزوی کی طرف منسوب ہونے لگے گی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دوسرے سے طبیعوں کی مقبولیت کا معیار ہی اب اس کی تسلیم و تصدیق قرار پا جائے گا۔

بعینہ اس پر اطمینان دہانی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے محاورات کو قیاس کر دو جب وہ عالم کی ہدایت و اصلاح کے لئے معروض ہوتے ہیں تو سب سے اول وہ اپنے من اللہ بشیر و نذیر ہونے کا نہایت زور شور اور تحدی کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنی دعوت و تبلیغ کا غلغلہ اہل و عیال اور خوش و خوار سب سے شروع کر کے مشرق و مغرب میں پھیل دیتے ہیں۔ جس کو سن کر کچھ لوگ قرآن کے سابق چالیس سالہ زہد و ریاضت پاک و صاف اخلاق۔ دیانت و راستبازی امراض من الال و الیہ و شرافت حسب و نسب اور روشن خوارق یا آیات و معجزات و غیر امور کی وجہ سے اور

کے نتائج متشکل ہو کر گویا آنکھوں کے سامنے نمودار ہو گئے ہیں تو اس بحث میں کہ دواوش کی مصلحتاً حاجت ہی باقی نہیں رہی ہر شخص ان سوس مشاہد نتائج کو دیکھ کر اسی طرح اس کے طبیب ماذق (ذی) ہونے کا یقین کر سکتا ہے جیسا کہ کسی گھر کے صحن میں دھوپ نکلی ہوئی دیکھ کر آسمان پر آفتاب کے نکلنے کا۔

اور اس بدیہی بلکہ اعلیٰ الہدییات کے سمجھنے کے واسطے انسان میں ذرا سی عقل بھی خواہ وہ کتنی ہی علیل کیوں نہ ہو کفایت کرتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس سے کام لینے کی کوشش کرے اور حق کے دیکھنے سے جو اس کو ہٹنا چاہتا ہے بالکل آنکھیں بند نہ کرے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں اباب غول مستقیم سے یہ مطلب ہمارا گرد نہیں ہے کہ ان میں کسی مونی اور روشن سنی روشن بات کے سمجھنے کی بھی قابلیت باقی نہ ہی ہو اور موسسات کی دران کی استعداد بھی ان سے سلب کر لی گئی ہو۔

تم خود خیال کرو کہ کسی تجربہ کار طبیب کے ہاتھ پر تپ کہنے کے پانچ چار مرضیہ وجوہ نہ لگائی سے مایوس ہو چکے ہوں، اشتیاب ہو جائیں تو گھر گھر میں اس کا چرچا پھیل جاتا ہے اور دودھ دار شہروں کے مایوس اطباء بیمار اس کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں اب اگر فرض کرو کہ ایک طبیب کے دستِ شفا سے کوئی سستی کی سستی یا ملک کا ملک تپ کہنے سے صحت یاب ہو جائے تو اس کی طرف لوگوں کی تو ہر کیا کسی شیطانی استدلال کے محتاج رہے گی۔

○ مثلاً مرثیٰ اعلیٰ روحانی جناب و سائنات صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم نے

اپنے رسالہ الاسلام میں نہایت مفصل بیان کیا ہے اور یہاں پر مصلحتاً ہم اپنے زمانہ کے ایک اصطلاحی روشن خیال مؤلف کے الفاظ میں لکھتے ہیں ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ دنیا ایک عجیب روحانی سکنت کی حالت میں تھی۔ اور آپ ایسے ملک میں بعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کو کچھ سلمان نہ تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کی گئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بد اخلاقی اور لافاق اور جنگ جونی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں برسوں کے پہلے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور دوتوں کے سوتے ہوئے فطرت کی نیند سے جھپک پڑے جو شرک تھے وہ موحد ہو گئے جو کافر تھے ایمان لائے جو بت پرست تھے وہ بت شکن بن گئے جو کمرہ تھے وہ خدائی راہ دکھانے لگے۔ جہاں نہ حیرت اور وحشت نہ عصییت کا ان میں نام نہ رہا۔

خاندانی جھگڑے اور پستی عداوتیں باقی رہیں و ماخوذ و غوث سے خالی ہو گئے اور ان کے دل صبر و توکل، صلہ و بردباری۔ زہد و پرہیزگاری اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے۔ آپ کی تعلیم و ہدایت نے ایک ایسا گرد خدا پرست پاک طبیعت راستباز نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں سے شرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ مناسے عرب میں گونج رہی تھی بند ہو گئی اور اس کے بدلے ایک بیچون و بیچگون بے شبہ دیے نول خدائی منادی پھر گئی۔ جنوں نے عدم کا راستہ لیا۔ بت خانوں کا نشان مٹ گیا آتشکد سے

ٹھنڈے پر گئے تھیکٹ کا علم ٹوٹ گیا اور ہم پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا
جاء الحق و نزعت الجاهل
حق کا پروردگار باطل مغرب بلاشبہ باطل مغرب
ان اباہل کا نہ ہو تھا

کیا اس سے اس امر کا مشاہدہ اور دور نشان ثبوت نہیں ملتا کہ آپ حقیقت
میں سچے رسول (طیب حافق) اور خدا کی طرف سے مقرر تھے در نہ انسان کا
کام نہ تھا کہ وہ ایسا اصلاحی و فطری علم عرب کی روحانی اور اخلاقی حالت میں پیدا کر دیتا
اور ایسے جنگ و ہزیمت پر مشیر لوگوں کو تربیت بات پر لڑتے اور جھگڑتے تھے۔ انوہ
کے ایک رشتہ میں بانوہ و تیاران کی پشتینی عداوتوں اور کینوں سے ان کے
دلوں کو ایسا صاف کر دیتا کہ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہتا بلکہ دنیا میں اخلاق اور
انسانیت کا نمونہ بنا دیتا۔

مرد کا ثبات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی ایسی عجیب و غریب تازہ اور
ایسی حیرت انگیز نتائج کو دیکھ کر منکرین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ وہ مشیت
یہ بات بشری قدرت سے خارج تھی چنانچہ کوئی ان میں سے کہتا ہے کہ "وہ پیام
جو آپ لائے وہ ایک سماجی اور حقیقی پیام تھا جس کا مخرج وہی ہستی تھی جس کی
تھا کہ کسی نے نہیں پائی کوئی کہتا ہے "قرآن ہی کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ عرب
کے رہنے والے ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو" متعصب سے متعصب
عیسائیوں میں سے سوت سے سخت متعصب یہ اقرار کرتا ہے کہ "وین مسیحی
کی ابتداء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک کبھی حیات روحانی
ایسی برانگیز نہیں ہوتی تھی جیسی کہ اسلام کی تعلیم سے ہوئی"

کچھ کیا ایسی واثرگت ثبوتوں اور کھلی کھلی دلیلوں کے بعد بھی کوئی محروم
البعیرۃ ایسا نکالے گا جو باوجود دیگر اپنے کو مریض سمجھتا ہو اور کسی نبض اور ماہر
طیب کی طرف رجوع کرنے کا خواہش نہ بھی ہو۔ لیکن طیب عرب نہیں
بلکہ طیب عرب و عجم) کے ان چمکتے ہوئے کارناموں سے منہ پھیرے۔ اور
اس کی تجویز اور تشخیص کے سامنے (جولاریب خدا ہی کی تجویز و تشخیص ہے)
بے چون و چرا اور بے ریب و تردد گردن نہ ڈالتے اور کم از کم تجربہ ہی کے
طور پر اس کے بتلائے ہوئے متلابیر و معالجات و پرہیز پر چند رد عمل کر کے نہ
دیکھے۔

○ ایسے ہی کور باظنوں کی نسبت (خواب بھی تک اس طرح کی بدی صداقت
کے تسلیم کے واسطے نہایت پیچیدہ اور دوراز کا رسائل و دلائل کی تلاش میں
فضول سرگرداں رہ کر عمر عزیز ضائع کر رہے ہیں اور دن سے زیادہ روشن
واقعات کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتے، عارف باللہ حضرت شیخ محمد الدین بن العونی
قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"ہمارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ انسان دہریات
میں، خدا کو چھوڑ کر مصلحت اپنی نظر و فکر کی ہی تقلید کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس
کی یہ فکر بھی خود اس ذات کی طرح ایک امر حادث اور مخلوق ہے اور ان قوی
میں سے ایک قوت ہے خدا نے تعالیٰ نے انسان کے اندر دو قوت کی ہیں۔
اُسے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوت مفکرہ کو عقل انسانی کے واسطے ایک شام
بنایا ہے (لیکن اس پر بھی عقل خود اس کی دعام بنا کر، پیچھے ہولتی ہے۔

باد جو دیکر وہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ قوت منفرہ جو کچھ اس کو عطا کرتی ہے وہ اس میں اپنے مد و مرتبہ سے ذرا بھی تجاوز نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہے کہ کسی دوسری قوت کی سرمد میں قدم رکھ سکتے مثلاً قوت حافظہ یا معورہ کا کام اس سے نکل سکے یا قوت متحدہ کے قائم مقام بن سکے یا حواس خمسہ میں طعم، شہم، سمع، بصر، میں سے وہ کسی ایک کے فرائض کو انجام دے سکے۔

○ یہ سب کچھ ہے اور قوت منفرہ کی حدود و اقتیادات کی یہ تنگی بھی سب کو معلوم ہے۔ مگر اس پر بھی یہ کسی قدر حیرت انگیز بات ہے کہ عقل انسانی اپنے پروردگار کی معرفت کے بارہ میں اسی فکر و تاقیص کی تعلید پر آمیز ہوئی ہے اور اس کا، پروردگار خود جو کچھ اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبان اپنی نسبت بیان فرماتا ہے اس کی تعلید سے برابر کتراتا ہے۔

عالم میں جو غلطیاں خلقت طرح کی پھیلی ہوئی ہیں عقل کی یہ فعلی ان سب میں مجرب تجربہ ہے اور تماشا ہے کہ سوائے ان محدود نوکر کے جن کی بصیرت کی آنکھیں خدا تعالیٰ نے روشن کر دی ہیں ہر صاحب فکر اسی عام غلط کاری میں مبتلا ہے۔ ہاں اب باب بصیرت خوب جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک خاص فطرت بنائی اور اسی خاص فطرت کے اعتبار سے اس شے کی عمل و حرکت کی حد بندی کر دی ہے، مثلاً قوت سامعہ یا کانوں کی فطرت مسوعات (آوازوں) کے ادراک سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اور عقل انسانی فقط اسی حلقہ میں اس کی محتاج اور آراء و ادراک کی شناخت حروف کے قطع و برید۔ حفاظت کے تغیرات اور لغات کی تقسیم میں اسے امداد کی طلب ہے۔ چنانچہ عقل

انسانی قوت سامعہ ہی کے ذریعہ سے پرندوں کے چہچہے۔ ہواؤں کی سائیں سائیں کو اٹھوں کی چوں چوں۔ پانی کی خرخر۔ انسان کی چیخ و پکار اور دوسرے جانوروں کی بولیوں میں تفریق کرتی ہے ورنہ عقل انسانی میں بجائے خود یہ قوت کہاں کی بغیر توسط سمع کے ان چیزوں کے باہر امتیازات کو قائم رکھ سکے۔ اسی طرح قوت باصرہ و آنکھوں کو خیال کر کے اس کا دائرہ عمل محض بصیرت دکھائی دینے کے قابل چیزوں تک محدود ہے یعنی عقل کو اس کی امداد کے بغیر سبزی کو زردی سے اور لہندہ کو سفیدی سے اور سفیدی کو سیاہی سے اور اسی طرح ہر ایک رنگ کو دوسرے رنگ سے جدا کرنا عادتاً ممکن نہیں ہے۔ اور یہی حال اندونوں کے ماسودہ و دوسری ان تمام قوتوں کا ہے جو حواس کے نام سے مشہور ہیں۔ اور نیز قوت خیالیہ کا جس کو اپنی کارگزاری میں حواس خمسہ کی احتیاج ہے۔ کیونکہ تحلیل فقط ان چیزوں کے ساتھ ہی متعلق ہو سکتا ہے جو حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں علیٰ ہذا القیاس قوت حافظہ اگر خیال کی حاصل کی ہوئی اشیا کو روکے رکھے تو خیال کے خزانہ میں کچھ بھی باقی نہ رہے اس حیثیت سے جبکہ کہ وہ حواس خمسہ کا محتاج ہے۔ ایسے ہی قوت حافظہ سے بھی یہ نیا نہیں۔ پھر قوت حافظہ کو بہت سے ایسے مواقع پیش آتے جو اس کے اور خیال کے درمیان حامل ہو کہ قوت حافظہ کی سعت اور اس سے امور کثیرہ کے قوت ہونے کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لیے ایک قوت ذکرہ کی حاجت ہوتی۔ قوت حافظہ کی امداد کرن کر اس کو وہ باتیں یاد دل دیا کرے جن سے ذہول ہو گیا ہو۔

ان سب کے بعد قوت مفکرہ خیال کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ قوت مصورہ کے توسط سے خیال کے حاصل کردہ امور کو اس طور پر ترکیب دے کہ اس سے کسی دعویٰ کے متعلق ایسی دلیل پیدا ہو جاوے جس کی انتہا ان امور و ہدایات پر ہوتی جو جو کھوں کی جملہ میں مرگنہ میں اس طرح سے جب فکر دلیل کو ایک اچھی طرح صورت پر قائم کر دیتا ہے تو اب عقل انسانی اس بنی بنانی چیز کو لے کر دعویٰ پر منطبق کر دیتی ہے۔

لیکن وہاں سے یہاں تک پہنچنے میں بتنی قوتوں کو کچھ بھی دخل رہا ان میں سے کوئی ایسی نہیں جس کے کام میں بہت سے مواقع اور بہت قسم کی تفسیروں کا سامنا نہ ہو اور جس کیلئے کسی ایسے میکانی ضرورت نہ پڑے جو صحیح کو فاسد سے اور مغز کو پوست سے جدا کر سکے۔

پس تم خود کہہ دو کہ عقل فی ذاتہ کس قدر مابل کیسی ہے پس اور دوسری قوتوں کی کتنی حاجت ہے اور ان قوتوں میں سے ہر ایک کو جو اغلاط پیش آتے ہیں اور جہاں تک کہ اس کے دائرہ عمل کی تحدید کی گئی وہ بھی سب پر روشنی ہو چکی لیکن اس پر جب اس کو کوئی بات اس خدوش اور پرخطر طریق سے بہت سی ٹھوکریں کھا کر حاصل ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسری جانب خود خداوند رب العزت کوئی خبر دیتا ہے تو یہ کہہ کر وہ خدا کی بتائی ہوئی بات کو ٹال دیتی ہے کہ میرا خود فکر اس کو دکر چکا ہے۔

اللہ اکبر یہ عقل خدا تعالیٰ کے مرتبہ سے کس قدر مابل ہے کہ اس نے اپنے فکر ناقص کی تقلید میں خدا تعالیٰ پر حرج کر کے کو آسان سمجھا۔ حالانکہ تم پہلے

مجھ کے ہو کہ عقل کے پاس بجائے خود کسی طرح کا ادراک ہی نہ کا بھی علم موجود نہیں اس کا کام محض حواس خمسہ۔ قوت خیالیر۔ قوت مصورہ اور علی بذات القیاس دوسری قوتوں کی عطا کئے ہوئے علوم کو قبول کرنا ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے نہایت ہی مناسب تھا کہ وہ بھلے قوت فکریر و غیرہ اپنے خدام کے سامنے دست سوال دراز کرنے اور ان کے عطا یا قبول کرنے کے اپنے آقا رب العزت کے رد و رد و ہوا تھ پھیلاتے اور اسی کی بحث شول کو لے کر سر اور آنکھوں پر رکھتے۔

اور جب کہ اسے معلوم ہے کہ اس کا فکر خیال کا مقدر ہے اور خیال حواس خمسہ کا اور اس کے ساتھ ہی اس کو اپنی احوال کے لیے قوت مافظہ اور فکر کی بھی حاجت ہے اور یہ بھی علم ہے کہ یہ تمام قوی اپنی سرمد فطرہ اور دائرہ عمل سے باہر ایک قدم نہیں رکھ سکتے مثلاً اور بصیرت و بصورت کے ادراک میں کانوں سے کام نہیں چل سکتا اور آوازوں کے برے بھلے کو آنکھیں نہیں سمجھ سکتیں خوشبو اور بدبو کا امتیاز زبان کے مدد و عمل سے خارج ہے اور تلخ و شیرین کی تفریق سے ناک کو کوئی سروکار نہیں اور علی ہذا القیاس خود عقل کو اپنی ذات کے اعتبار سے ان چند ضروریات کی سوا جن کا علم فطرہ ہوتا ہے اور کوئی چیز معلوم نہیں، تو بجا تمام قوتوں کے اس طرح کی تنگ میدانانی اور بیادگی کے باوجود بھی کیا وجہ ہے کہ ہماری عقل اس شخص کے قول کو قبول نہیں کرتی جو انسان میں قوت مفکرہ کے سوا ایک اور ایسی قوت کا تامل ہے جس کے احکام قوت مفکرہ کے احکام سے بالاتر ہوں اور

مہربانی اور رحمت کا سایہ ڈالتا ہے اور اپنے دامنِ عطوفت میں لے لیتا ہے۔ اس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی طرف جانے والوں کے لئے فکر کے رستے سے یہ راستہ زیادہ نزدیک ہے کیونکہ خود خداوندِ باری نے اپنے رسول کی زبان سے یہ منادی کرادی کہ جو کوئی ہماری طرف لپک کر آتا ہے ہم اس کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔ اور یہ کہ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ بلکہ فقط قلبِ مومن میں یہ وسعت ہے کہ وہ ہماری عظمت و جلال کا تحمل کر سکے۔

آپ بناو پر یہ لوگ اپنے سارے دل سے خدا کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے اور تمام قوی و افکار کے وہ جندوں کو چھوڑ دیا۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے اپنے نور و علم صادق کی ایک روشنی ان کے دلوں پر ڈال دی۔ اور ان کو خالص اپنا ہی والا دشمن بنا لیا۔ پھر کیا تھا۔ نظر و فکر کی وہ ساری کمزوریاں کا فوجِ بگین اور خالقِ کبر کے ارشادات و قوانین کے سامنے انہوں نے اپنی مشقوں کے تیار کئے ہوئے قانون کو بھلا دیا۔ آہ

○ تم خود سوچو اور انصاف کرو کہ اگر ہر کس و ناکس اپنی عقلِ شغنی کے بنائے ہوئے قانون پر چلنے کا حمار کر دیا جائے تب کیا کہ آنا و دنیا کی مدعی آٹھ کل چاہتے ہیں تو دنیا میں کیا کچھ شرط ہو اور ہزاروں لاکھوں تراشیدہ قوانین کی کشمکش میں جو ہر گز وہ اپنے پیادہ لگا کر اندازہ نہم کے موافق تیار کر سکتا ہے لوگوں کی زندگی کیا کچھ دشوار ہو جائے۔

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عقل و نقل میں مزاحمت واقع ہوا کہ اس وقت ہم کو یہ اختیار ملنا چاہیے کہ ہم عقل کے احکام کو نقلِ صحیح

جس کو ان طریقوں کے استعمال کرنے سے جو اس فن کے تجربہ کاروں نے کئے ہیں جو بہت اہل اللہ و ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کاملین اپنے اندر پاتے ہیں اور کل کتبِ سماویہ جس کے وجود کی خبر دینے میں با واز و ہل نااطق ہیں۔ ○ اس لئے تم کو چاہئے کہ اخبارِ الہیہ کے ماننے میں اپنے عقل و ناقصہ ستیہ کی کچھ پرواہ نہ کرو اور مخلوق کے مقابل میں خالق کی تقلید کو بہتر سمجھو کیونکہ کثیر السعد و انبیاء و اولیائے انہیں چرچوں کو قبول کیا اور انھیں پروردہ ایمان لائے۔ اور انہیں کی تصدیق کی۔ اور ہمیشہ وہ اسی کو پسند کرتے رہے کہ اپنے رب کی معرفت میں خود اسی کی تقلید کرنا پورا اہم و افکار کی تقلید سے ادنیٰ و انفع ہے۔ پھر اور عقیدہ بن کر اخبارِ الہیہ سے انکار کرنے والے سمجھو کہ کیا ہوا کہ کہ خدا کے بارے میں تو خود خدا کی ادا اس کے برگزیدہ بندوں کی نہیں سنتا اور اپنے خیالات کے پیچھے پڑا پریشان ہو رہا ہے؟

وکیعویب یا ایہا الذین آمنوا! ہذا کے سننے والوں کو یہ معلوم ہوا کہ علاوہ اس ایمان کے جو دلائل و افکار سے ہم کو حاصل ہو چکا کوئی دوسرا ایمان بھی مطلوب ہے تو انہوں نے معیارِ اخلاص و خیر اور عبادہ کا طریق اختیار کیا اور خدا کو فراموش کرنا تو اسے تعلقات کو یک لخت منقطع کر کے دنیا میں رہ کر ہی وہ دنیا سے الگ ہو بیٹھے۔ اور دل کو سب جھگڑوں سے خالی اور قلب کو شوائبِ افکار سے پاک کر کے خالص خدا کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیونکہ انبیاء و مرسلین سے یہ ہی راستہ ان کو معلوم ہوا تھا اور انہوں نے سن رکھا تھا کہ بندہ جب سارے دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس پر اپنی

وماذا لك على الله بعزيمه واخرو دعواتك الحمد لله رب
العلمين۔

المرافقہ
شیر احمد عثمانی۔ خدا اللہ منہ
دار العلوم دیوبند
۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

یہ کتاب اور علمائے دیوبند کی دیگر تصانیف کے لئے

- | |
|--|
| ۱۔ ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ استارہ علی لاہور |
| ۲۔ دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی |
| ۳۔ ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی |
| ۴۔ مکتبہ دارالعلوم ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی |

مستندیں و تحفیں

- | | | | |
|-----|--------------------------|-----|------------------------------|
| ۱۔ | الابتدیان فی علوم القرآن | ۱۔ | خطبہ جلال الرحمن کی سیرت |
| ۲۔ | سیرت رسول اکرم ﷺ | ۲۔ | خطبہ کواخترت لکھنؤ |
| ۳۔ | اصلاح المسلمین | ۳۔ | خطبہ کواخترت علی گڑھ |
| ۴۔ | حیوة المسلمین | ۴۔ | |
| ۵۔ | سیرت پالت | ۵۔ | نور الاسلام کا سیلاب |
| ۶۔ | انتخاب بخاری شریف (۱۰۰۰) | ۶۔ | خطبہ شوق کلمہ سرگودھا |
| ۷۔ | اکابر غلات دیوبند | ۷۔ | نور اکبر شاہ بخاری |
| ۸۔ | اسلام کا اقتصادی نظام | ۸۔ | نور اجتناب از منکر سید ہدایت |
| ۹۔ | اسلامی تہذیب و تمدن | ۹۔ | خطبہ کواخترت لاہور |
| ۱۰۔ | احکام الشیوخ و مرثون | ۱۰۔ | خطبہ کواخترت امرتسر |
| ۱۱۔ | انتخاب منجوت | ۱۱۔ | خطبہ کواخترت ٹبریز |
| ۱۲۔ | العلم والفضل | ۱۲۔ | خطبہ ایسبہ ابراہیم |
| ۱۳۔ | حیات شیخ الہند | ۱۳۔ | خطبہ کواخترت سمرقند |
| ۱۴۔ | شریعت و علمیت | ۱۴۔ | خطبہ کواخترت کلکتہ |
| ۱۵۔ | تعبیر التوریا (۱۰۰۰) | ۱۵۔ | خطبہ ایسبہ سوریا |
| ۱۶۔ | مکتوبات منجوی | ۱۶۔ | نور اسبہ عرب دہلی |
| ۱۷۔ | مسائل کا عروج و زوال | ۱۷۔ | نور احمد جب اکبر آبادی |
| ۱۸۔ | بدعت حکیمانہ | ۱۸۔ | پادشاہ کا دست کا لکڑی |
| ۱۹۔ | تصوف حکیمانہ | ۱۹۔ | اسلام لا سکر نمان |
| ۲۰۔ | اصول تصوف | ۲۰۔ | خطبہ کواخترت کلکتہ |
| ۲۱۔ | حکیمانہ من (مجموعہ) | ۲۱۔ | اسلام لا سکر کلکتہ |

پیشکش

ادارہ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی لاہور